قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً (رواہ البخاری)

سلسلہ تبلیغ ۶۱

بار اول ۳۳۰۰

وعظ

التہذیب ۲

(اصلاحِ نفس کا طریقہ)

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبۂ نشر و اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور ۱۸

فون کامران بلاک ۵۴۲۲۲۱۳-۴۴۸۰۶۰ پرانی انارکلی ۷۳۵۲۷۲۸

جمادی الاول ۱۴۲۰ھ　　اگست ۱۹۹۹ء

التہذیب-۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ ورسولہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ و بارک وسلم.

اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم. قل انما حرم ربّی الفواحش ما ظھر منھا و ما بطن والاثم والبغی و ان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا و ان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون[1]

تمہید

یہ ایک آیت ہے سورۂ اعراف کی، اس میں حق تعالیٰ نے معاصی[2] کی حرمت اور اس کی ایک مختصر سی تقسیم ارشاد فرمائی ہے۔ اس مضمون کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے جمعہ گذشتہ کو بیان کیا تھا کہ روزہ کا فائدہ اس وقت

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت: ۳۳ (۲) گناہوں

مرتب[1] ہوگا جبکہ روزہ کے حقوق ادا کیے جائیں اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ روزہ کے حقوق میں سے یہ ہے کہ معاصی کو ترک[2] کردیا جاوے اور یہ بھی بتلایا تھا کہ اس زمانہ میں اصل عبادت روزہ اور قیام لیل[3] ہے اور ان دونوں کی کچھ حکمتیں بھی بیان کی تھیں اور یہ بھی عرض کیا تھا کہ ان حکمتوں کی تحصیل میں خلوت[4] معین ہے۔ آج کوئی نیا مضمون نہیں ہے مضامین سابقہ[5] کی شرح ہے یعنی آج یہ بتلایا جائے گا کہ وہ معاصی[6] کیا کیا ہیں جن سے روزہ میں اجتناب[7] ضروری ہے اور اس کے بعد کچھ نماز اور خلوت[8] کے آداب ذکر کیے جاویں گے، یہ حاصل ہوگا آج کے بیان کا۔

ارشاد ہے "قُل اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّی" الخ ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ اے محمد ﷺ آپ فرمادیجیے کہ میرے رب نے صرف بے حیائی کی باتوں کو جوان میں سے ظاہر ہیں وہ بھی اور جو باطن ہیں وہ بھی اور گناہ کرنے کو، اور ظلم کرنے کو، اور اس بات کو حرام کیا ہے کہ اللہ کے ساتھ ایسی شئے[9] کو شریک ٹھراؤ کہ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ بھی حرام کیا ہے کہ اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرو جس کو تم نہیں جانتے۔ یہ ترجمہ ہے اس آیت کا ترجمہ سے اجمالی تعیین مضمون اور تقسیم معاصی کی معلوم ہوگئی ہوگی۔ لیکن ترجمہ سننے سے اس مضمون کی وقعت[10] جیسا کہ چاہیے، نہیں ہوئی ہوگی، اس لیے اس کی وقعت واقعیہ[11] ظاہر ہونے کے لیے اور مقامات کی حقیقت کے انکشاف[12] کے لیے کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

---

(۱) روزہ سے اس وقت فائدہ حاصل ہوگا (۲) گناہوں کو چھوڑ دیا جائے (۳) تراویح (۴) تنہائی (۵) گذشتہ مضامین (۶) گناہ (۷) بچنا ضروری ہے (۸) تنہائی یعنی اعتکاف (۹) چیز کو (۱۰) اہمیت (۱۱) حقیقی اہمیت (۱۲) ان مقامات کی حقیقت کو کھولنے کے لیے

شان نزول

پس جاننا چاہیئے کہ اس مضمون کا تعلق بہت دور سے ہے یعنی شروع رکوع یا بنی آدم[1] سے یہ مضمون چلا ہے اور سبب نزول[2] اس کا ایک خاص قصہ ہے وہ یہ ہے کہ اہل جاہلیت[3] میں منجملہ دیگر رسوم جہالت کے یہ بھی ایک بے حیائی کی رسم تھی کہ وہ بیت اللہ شریف کا برہنہ[4] طواف کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نافرمانی کرتے ہیں ان میں طواف نہیں کرتے۔ دیکھیئے ظاہر میں تو کیسی خوبصورت بات ہے لیکن ان احمقوں نے جہالت میں یہ نہ سمجھا کہ برہنہ[5] طواف کرنے میں کس قدر بے حیائی اور بیت اللہ شریف کی بے ادبی ہے اور نیز کپڑوں کے اتارنے سے کیا ہوتا ہے، چاہیئے کہ کھال اتار دیا کریں اس لیے کہ اصل آخر تو گناہ کا بدن کے اندر ہے گو اس شخص کو ادراک[6] اس کا نہ ہو۔

گناہ کا اثر

چنانچہ بعض اہل نظر آنکھ کی پتلی کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ شخص بد نگاہی[7] میں مبتلا ہے۔ حضرت عثمانؓ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ چند آدمی آئے اور وہ کسی کو بری نظر سے دیکھ کر آئے تھے آپ نے فرمایا کہ کیا حال ہے لوگوں کا کہ مسجد میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے۔ صحابہ کی شان تو بڑی

---

(۱) پوری آیت یہ ہے: یابنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشا ولباس التقوی ذلک خیر ذلک من آیت اللہ لعلھم یذکرون. الاعراف آیت: ۲۶ (۲) اس آیت کے نازل ہونے کا سبب (۳) جاہلیت والے یعنی مشرکین مکہ (۴) ننگے (۵) ننگے طواف کرنے میں (۶) اگرچہ اس شخص کو اس کا احساس نہ ہو (۷) نامحرم کو بری نظر سے دیکھنے کے گناہ میں مبتلا ہے

ہے طاعت کا نور اور معصیت کی ظلمت[1] تو ایسی شے ہے کہ ہر ادنی مسلمان کو بھی اس کا ادراک[2] ہوجاتا ہے اور یہ نور و ظلمت گورے۔ چٹے یا کالے ہونے پر موقوف نہیں وہ نور و ظلمت دوسرا ہے۔ بعض لوگ رنگ کے کالے ہوتے ہیں لیکن چہرہ پر ان کے ایسا نور طاعت چمکتا ہے کہ بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اسی نور کی نسبت ارشاد فرمایا ہے۔ **سیماهم فی وجوههم من اثر السجود**[3] اور مولانا اسی نور کی نسبت فرماتے ہیں۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی　　　نیک بین باشی اگر اہل دلی

(ولی کے اندر نور حق ہوتا ہے اگر تو اہل دل ہے تو تو بھی اسی نور کو دیکھ لے)

غرض گناہ کا اثر کپڑوں پر اتنا نہیں ہوتا جس قدر کہ بدن میں ہوتا ہے تو اگر ایسا ہی ادب تھا تو بدن سے کھال اتارنی چاہئیے تھی اور جن اعضاء سے گناہ کیے تھے ان کو پارہ پارہ[4] کرنا تھا۔

پسندیدہ لباس

اور وہ اپنی اس بے حیائی کی نسبت یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ اس سب کا رد فرماتے ہیں۔ اول بطور تمہید ارشاد ہے۔ **یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سو آتکم وریشا**[5] یعنی اے اولاد آدم ہم نے تم پر لباس اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور زینت کا لباس بھی اتارا ہے حق تعالیٰ کی رحمت تو دیکھیے کہ کس قدر ہے گویا ارشاد ہے کہ ارے ظالمو اللہ تعالیٰ کپڑے اتارنے کی

---

(۱) نیکی کا نور اور گناہ کی تاریکی (۲) احساس ہوتا ہے (۳) الفتح آیت: ۲۹ ترجمہ ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں (۴) ٹکڑے ٹکڑے (۵) الاعراف آیت: ۲۶

اجازت تو کیا دیتے انہوں نے تو تمہارے لیے زینت کا لباس عطا فرمایا ہے اور زینت کی بھی اجازت دی ہے۔ سبحان اللہ کیا بلاغت ہے آگے لباس کی مناسبت سے ایک دوسرے مہتم بالشان لباس کی طرف انتقال[1] فرماتے ہیں اور اس کی اطلاع دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے **ولباس التقویٰ ذلک خیر**[2] یعنی جبکہ ہم لباس باطنی کے اتارنے کو پسند نہیں کرتے جس کا اترنا علانیہ[3] بے حیائی بھی نہیں تو اس لباس ظاہری کے اتارنے کو کیسے پسند کریں گے اور نیز اس تمہاری حرکت سے لباس حقیقی و لباس ظاہری دونوں اترتے ہیں کیونکہ ظاہری لباس کا اتارنا تقویٰ میں بھی مخل ہے اس مضمون کو حق تعالیٰ نے **انزلنا علیکم لباساً** میں ایک عام اور عقلی عنوان سے ذکر فرمایا ہے کہ جس سے یہ مسئلہ عقلی ہو گیا حاصل اس کا یہ ہے کہ لباس کو جب ہم نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے یعنی یہ امر فطری[4] ہے تو فطرۃً بھی عقل اس کو گوارا نہیں کرتی کہ اس کو اتارا جاوے اور اس کے مضمون میں تقویٰ کی تاکید جو کہ اصل مبحث ہے[5] قرآن شریف کا، اور روح ہے شریعت کی، نیز بعنوان لباس ایک نہایت عجیب طریقہ سے ولباس التقویٰ میں ارشاد فرمائی کہ جس میں لفظاً بھی رعایت مقصود۔ مقام کی رہی۔ گویا نہ جزئی مقصود کو چھوڑا اور نہ کلی مقصود کو اس میں بے حد بلاغت ہے کہ زبان اس کے بیان سے کوتاہ[6] ہے۔ اگر اہل علم غور کریں گے تو سمجھ لیں گے، یہاں تک تو لباس سے اپنے بدن کو چھپانے کو محبوب عند الحق[7] ہونے کا بیان تھا۔

---

(۱) ایک دوسرے قابل اہتمام لباس کی طرف منتقل ہو کر لباس تقویٰ کا ذکر کرتے ہیں (۲) الاعراف آیت ۲۶ (۳) کھلم کھلا (۴) طبعی تقاضا ہے (۵) یعنی قرآن پاک میں تقویٰ ہی سے بحث کی گئی اور اسی کی تعلیم دی گئی (۶) قاصر (۷) اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہونے کا بیان تھا

عریانی شیطان کو پسند ہے

اب آگے نزع لباس کا محبوب[1] عند الشیطان ہونا بیان فرماتے ہیں۔

یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطن کما اخرج ابویکم من الجنة ینزع عنهما لباسهما لیریهما سوا تهما[2]۔

یعنی اے بنی آدم تم کو شیطان گمراہی میں نہ ڈالے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو اس نے جنت سے نکالا، یعنی ایسا کام کرایا جس سے وہ جنت سے نکلے اور اس حالت میں کہ ان سے ان کا لباس اتارتا تھا تاکہ ان کو ان کے مستور[3] بدن دکھلائے اس میں حق تعالیٰ نے کئی باتیں بیان فرمائیں ایک تو یہ کہ شیطان تمہارا بہت پرانا آبائی دشمن ہے اس سے بہت بچنا چاہیئے دوسرے یہ کہ گناہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جنتی کپڑے بدن سے اتر جائیں اور "یری" میں لام عاقبت[4] کا ہے یعنی انجام شیطان کے کہنا ماننے کا یہ ہوا کہ آدم و حوا کو ان کا ستر دکھلادے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا گیہوں کھانا اور اس کا اثر

اس میں ایک باریک مسئلہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ معلوم ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام دونوں میاں بیوی ہیں اور یہ بھی ہے کہ اپنا بدن دیکھنا جائز ہے اور نیز اپنی بیوی کا بدن بھی دیکھنا جائز ہے پھر اس میں کیا حرج تھا کہ آدم و حوا نے آپس میں اپنا یا دوسرے کا بدن دیکھا، انجام تو کوئی ایسا امر بیان فرمانا چاہیئے تھا کہ جو کوئی امر مذموم[5] ہوتا، یہ تو امر مباح[6] ہے تو بات یہ ہے بعض

---

(۱) لباس کا اترنا شیطان کو پسند ہے اس کا بیان کرتے ہیں (۲) الاعراف آیت ۲۷ (۳) بدن کے چھپے ہوئے حصے (۴) یعنی قرآن پاک میں مذکور کلمہ "یری" پر جو لام داخل کیا گیا اور لیری کہا گیا اس میں لام عاقبت یعنی انجام کے معنی دے رہا ہے جس کو خود ذکر کرتے ہیں (۵) کوئی برا کام ہوتا (۶) یہ تو جائز کام ہے

مباحات ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے انسان کو طبعی نفرت ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام کا گیہوں کھانا خطا اجتہادی[۱] تھی گناہ نہیں تھا لیکن بفحوائے مقرباں را بیش بود حیرانی[۲] عتاب اس پر ہوا کہ جزم اور احتیاط کا درجہ کیوں فروگذاشت[۳] ہوا اس لیے اس کا انجام و اثر بھی ایسا ہی امر ہوا کہ وہ فی نفسہ مباح تھا۔ قبیح و شنیع نہیں[۴] تھا لیکن ان کی شان کے خلاف تھا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم و حوا تقدس کے اس درجہ میں تھے کہ ان کے لیے یہ امر مباح بھی باعث تکدر ہوا[۵]۔

میاں بیوی کو ایک دوسرے کے ستر دیکھنے کا حکم

اور نیز یہ مسئلہ بھی مستفاد ہوا کہ ارادۂ سوءت زوجین میں گو جائز ہے لیکن ادب کے خلاف[۶] ہے اور بلاضرورت ایسا کرنا نامناسب ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ اپنا ستر کھولنا کیسا ہے؟۔ حضور ﷺ نے اس پر انکار فرمایا، اس شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ان کان خیالیا اگر خلوت میں ہے فرمایا فاللہ احق من ان یستحیٰ منہ یعنی اللہ تعالیٰ احق ہیں اس بات کے ساتھ کہ ان سے حیا کی جاوے اگرچہ اللہ تعالیٰ سے پردہ اور ستر[۷] نہیں ہوسکتا مگر یہ تو ہوسکتا ہے کہ پردہ کی صورت بنائی جاوے

---

(۱) اجتہادی غلطی تھی اور یہ مسئلہ ہے کہ اگر مجتہد اپنے اجتہاد میں غلطی بھی کرے تو اس کو ایک اجر تو ملتا ہی ہے اگر اجتہاد صحیح ہو تو دہرا اجر ہے (۲) جو مقرب ہوں ان کو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے (۳) یعنی آپ نے احتیاط کے درجہ پر کیوں عمل نہیں کیا (۴) اسکا اثر بھی ایسا ظاہر ہوا کہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے گناہ نہیں تھا (یعنی مرد کو اپنا اور اپنی بیوی کا جسم دیکھنا گناہ نہیں) ہاں ان کی شان کے لائق نہیں تھا
(۵) آدم و حواء پاکیزگی کے اس بلند مقام پر فائز تھے کہ ان کے لیے یہ جائز کام بھی طبعی تکدر کا باعث ہوا
(۶) یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا ننگا بدن دیکھنا اگرچہ جائز ہے مگر بے ادبی ہے
(۷) چھپایا نہیں جاسکتا

اور یہاں سے اس حدیث کی بھی شرح ہوگئی کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ اور ابو بکرؓ کی قبر پر جایا کرتی تھی جب عمرؓ وہاں دفن ہوئے تو میں عمرؓ سے حیاء کی وجہ سے نہیں گئی۔ اس حدیث سے لوگوں نے اپنی ذہانت سے بہت کچھ مستنبط کیا ہے۔ سماع موتیٰ بھی اسی سے ثابت کیا ہے یہ سب نری[1] ذہانت ہے اس سے کچھ نہیں نکلتا۔ اس لیے کہ حیا کے دو اثر ہیں ایک پردہ حقیقۃً اور دوسرے پردہ صورۃً جیسا یہاں شبہہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے حیا ہو تو اس کا اثر کیا ہوگا۔ پردہ تو ہو نہیں سکتا تو جواب یہ ہے کہ گو پردہ حقیقی نہ ہو لیکن حیا کا اقتضا[2] یہ بھی ہے کہ پردہ کی صورت ہو پس یہاں بھی حیا من عمر[3] کے اندر دوسرا احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ گو پردہ حقیقی کا تحقق تو حی[4] ہی کے اندر ہوسکتا ہے لیکن پردہ صورۃً میت سے بھی ممکن ہے پس اس احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال کرنا سماع[5] کے مسئلہ پر مشکل ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی بلاضرورت برہنہ ہونا نہ چاہیئے، اور بیوی کا ستر دیکھنا تو اس سے بھی زیادہ شرمناک ہے۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ اس حرکت سے اولاد اندھی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر اندھی نہ ہو تو بے حیاء تو ضرور ہوتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقتِ خاص میں جس قسم کی اس سے حرکت ہوتی ہے اولاد کے اندر وہی خصلت پیدا ہوتی ہے۔ اسی واسطے حکماء نے لکھا ہے کہ انزال کے وقت اگر زوجین[6] کو کسی اچھے آدمی کا تصور آجاوے تو بچہ نیک ہوگا اسی واسطے پہلے لوگ اپنے خلوت کے کمرہ میں علماء اور حکماء کی تصویریں رکھا کرتے تھے شاید یہ سن کر

---

(۱) صرف (۲) حیاء کا یہ بھی تقاضا ہے (۳) عمر سے حیاء کرنے میں دوسرا احتمال ہے (۴) زندہ آدمی (۵) اس مسئلہ پر کہ مردے سنتے ہیں اس حدیث سے استدلال مشکل ہے اگرچہ یہ مسئلہ کہ مردے سنتے ہیں ... ہے دلائل سے ثابت ہے (۶) میاں بیوی

کسی کی رال ٹپکی ہو کہ یہ تصویریں رکھنے کی ایک مصلحت بھی نکل آئی پھر کیوں ناجائز کہا جاتا ہے اس سے کیوں فائدہ نہیں اٹھایا جاتا لیکن **فی طلعة الشمس ما یغنیک عن زحل**[۱] حضرت ہمارے پاس ایسی تصویر ہے کہ وہ ان تصویروں سے مغنی ہے۔ وہ کیا ہے۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار ‌ ‌ ‌ ‌ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

صحبت کے وقت پڑھی جانے والی دعا کا اثر

یعنی ہم کو چاہیئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا تصور کریں اور یہ دعا پڑھیں **اللّٰھُمَّ جنبنا الشَّیطانَ وَجنبِّ الشَّیطانَ مَا رَزَقْتَنَا**[۲] اللہ جل جلالہ سے زیادہ کون ہے کہ جس کا خیال کیا جاوے اگر کوئی کہے کہ شیطان کا خیال تو اس وقت نہ ہونا چاہیئے اور اس دعا پڑھنے میں شیطان کا خیال ضرور آوے گا[۳] بات یہ ہے کہ ایک تو کسی شے کا خیال اس کو مقصود و مرغوب[۴] بنا کر لانا ہے اور ایک مہروب[۵] عنہ بنا کر، دونوں میں بڑا فرق ہے اس دعا کا حاصل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا گیا ہے کہ اے اللہ ہم کو اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچائیے۔ تو اس کا تصور بحیثیت تنفر کے ہوا[۶]۔ پس اثر اسی کے مناسب ہوگا چنانچہ اس دعا کا اثر یہ آیا ہے **فانه لن یضره الشیطان** یعنی شیطان اس کو ضرر نہ پہنچائے گا۔ اولاد پاک اور مقدس ہوگی اور یوں اپنے ہاتھوں بگڑیں وہ دوسری بات ہے۔ پس

---

(۱) ہمارے پاس سورج کی روشنی ایسی ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے سیارہ زحل کی روشنی کی ضرورت نہیں (۲) اے اللہ ہم کو شیطان سے بچا اور دور رکھ شیطان کو اس سے جو آپ ہم کو عطا فرمائیں (۳) اس لیے کہ اس دعا میں جب شیطان کا نام لیگا تو اس کا خیال بھی آئیگا (۴) مقصود اور پسندیدہ بنا کر (۵) اور ایک خیال اس طرح لانا ہے کہ اس سے بھاگنا مقصود ہو (۶) اس سے نفرت کرنے کی حیثیت سے ہوا

ہم کو اس تصویر کے ہوتے ہوئے کسی اور تصویر کی حاجت نہیں۔ بہرحال بیوی کو برہنہ دیکھنے سے اخلاق پر اولاد کے اثر پڑتا ہے اور اس میں آدم و حوا کے رتبہ کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔

تفسیر آیت

آگے اس تمہید کے بعد صراحۃً عنوان عام میں ان کا رد فرماتے ہیں۔

و اذا فعلوا فاحشة قالوا وجدنا عليها آباءنا والله امرنا بها قل ان الله لا يأمر بالفحشاء اتقولون على الله مالا تعلمون[۱].

یعنی جب وہ کوئی بے حیائی کی بات کرتے ہیں جیسے برہنہ طواف کرنا، تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس پر پایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کا حکم کیا ہے، آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں فرماتے، آگے ارشاد ہے۔ قل امر ربی بالقسط[۲] الخ اس میں مامورات کی تقسیم[۳] ہے اور "قل" سے اشارہ نہایت اہتمام کی طرف ہے اس لیے کہ حضور ﷺ تو بغیر "قل"[۴] کے بھی تبلیغ فرماتے۔ پس "قل" لانا نہایت اہتمام کی دلیل ہے۔ "قسط" میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے۔ اور "اقيموا وجوهكم عند كل مسجد" میں حقوق اللہ آ گئے اور وادعوه[۵] مخلصين له الدين میں

---

(۱) الاعراف آیت ۲۸ (۲) الاعراف آیت ۲۹ آپ کہہ دیجیے میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا (۳) حکم کردہ اشیاء کی تقسیم کو بیان کیا گیا ہے (۴) آپ کہہ دیجیے (۵) مکمل آیت یہ ہے قل امر ربی بالقسط واقيموا وجوهكم عند كل مسجد و ادعوه مخلصين له الدين كما بداكم تعودون.

عقائد داخل ہوگئے۔ ماموارات کی بھی تین قسمیں ہیں تینوں کو جمع فرمادیا[۱] آگے اصل مقصود کو بیان فرماتے ہیں یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد[۲] یعنی اے اولاد آدم اپنی زینت یعنی کپڑے پہنا کرو، مسجد کے وقت یعنی طواف کے وقت جو کہ مسجد میں ہوتا ہے اور چونکہ کفار نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس برہنہ ہونے کا حکم دیا ہے تو اس تقریب[۳] سے آگے فرماتے ہیں قل من حرم زینۃ اللہ التی الخ اور اگرچہ مامورات کے ضمن میں منہیات[۴] بھی آگئے تھے اس لیے کہ مامور بہ پر عمل کرنے سے منہیات سے خود ہی احتراز ہوگا[۵] اور کسی منہی کا ارتکاب کرنے سے کسی واجب العمل مامور بہ پر عمل ضرور ترک[۶] ہوگا لیکن چونکہ کفار نے کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس بے حیائی کا حکم فرمایا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مقابلہ میں منہیات کی فہرست مصرحاً[۷] بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے تو یہ چیزیں حرام کی ہیں یہ تمام تمہید اس لیے بیان کی گئی تاکہ اس مضمون کی وقعت ذہن نشین ہوجائے[۸]۔ غرض ارشاد ہوتا ہے قل انما حرم ربی الفواحش الخ قل لانے کی وجہ تو وہی اہتمام شان ہے اور "انما" حصر کے لیے ہے اس میں بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ کیا یہی چیزیں حرام ہیں اوران کے علاوہ سب حلال ہیں ؟ - جواب اس کا یہ ہے کہ حصر کی دو

---

(۱) جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان کی تین قسمیں ہیں ایک عقائد دوسرے حقوق اللہ تیسرے حقوق العباد اسی آیت میں تینوں کا حکم دیا گیا ہے جن کوذکر کردیا گیا ہے (۲) الاعراف آیت ۳۱ (۳) کفار کا یہ قول اختیار کرنے کی وجہ سے کہ اللہ ننگے ہونے کا حکم دیا ہے (۴) جن چیزوں کا حکم دیا گیا اس کے ذیل میں جن باتوں سے منع کیا گیا وہ بھی آگئیں (۵) اس لیے کہ جب حکم کردہ چیز کو اختیار کرے گا تو منع کردہ سے خود ہی رک جائے گا (۶) کسی منع کردہ کام کے کرنے سے کسی نہ کسی کرنے والے کام کا ترک ضرور لازم آئیگا (۷) منع کردہ چیزوں کی فہرست کھول کر بیان کرتے ہیں (۸) اس مضمون کی اہمیت ذہن میں

قسمیں ہیں۔ ایک حصر حقیقی دوسرے حصر اضافی۔ یہاں حصر اضافی مراد ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اہل مکہ دو بلاؤں میں مبتلا تھے تحریم حلال اور تحلیل حرام[1] کپڑا پہننا حلال تھا اس کی تحریم[2] کرتے تھے۔ ایسے ہی بعض حیوانات کو حرام سمجھتے تھے اور ننگا پھرنا اور فسق کرنا حرام تھا اس کو حلال جانتے تھے اور لٹنا بھڑنا توان کی شب و روز کی دال روٹی تھی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اول تو تحریم حلال کی نسبت ارشاد فرمایا۔ قل من حرم زينة الله التى اخرج لعباده والطيبت من الرزق[3] یعنی آپ کہدیجیے کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی اس زینت کو جو اس نے بندوں کے لیے پیدا کی ہے یہ تو ملبوسات کی نسبت ہے اور والطیبت من الرزق یعنی کس نے حرام کی ہیں پاکیزہ چیزیں رزق سے۔ یہ ماکولات[4] کی نسبت ارشاد فرمایا۔ حاصل یہ ہے کہ پہننے اور کھانے پینے کی چیزیں خواہ درجہ حاجت میں ہوں یا درجہ لذت میں حرام نہیں یعنی اچھا کپڑا اور اچھا کھانا حرام نہیں ہے۔

مجاہدہ میں غلو کا نقصان

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاہدہ کے اندر غلو کرنا مناسب نہیں بعض اہل مجاہدہ اس میں حد سے آگے نکل جاتے ہیں۔ پھل چھوڑ دیتے ہیں بعضے گوشت کھانا ترک کردیتے ہیں بعضوں کی شہرت کی جاتی ہے کہ فلاں بزرگ اناج نہیں کھاتے لیکن ان کو یہ خبر نہیں کہ انہوں نے ایک غذا کو تو چھوڑا جو کہ حلال تھی اور ایک دوسری غذائے حرام یعنی عجب اور حب شہرت[5] کو اختیار کیا۔ چاروں طرف

---

(۱) حلال کو حرام سمجھتے تھے اور حرام کو حلال (۲) کپڑا پہننا حلال تھا اس کو حرام کہتے (۳) الاعراف آیت ۳۲ (۴) کھانے والی چیزوں کے بارے میں ہے (۵) تکبر اور شہرت پسندی

سے جب شہرت ہوگی اور سب کی نظریں پڑیں گی تو نفس کو بڑی غذا ملے گی اور نفس موٹا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آدمی فربہ شود از راہ گوش　　جانور فربہ شود از نائے و نوش

(آدمی اچھی باتیں سن کر موٹا ہوجاتا ہے اور جانور کھانے پینے سے موٹا ہوتا ہے) اور فرماتے ہیں۔

تن قفس شکل است زاں شد خار جاں　　در فریب داخلاں و خارجاں

(تن قفس کی مانند ہے اور جان کے لیے تکلیف دہ ہے کیونکہ وہ داخلی اور خارجی فریب میں مبتلا ہیں)

اینش گوید نے منم انبار تو　　آنش گوید نے منم ہمراز تو

(تن یہ کہتا ہے کہ نہیں میں تیرا شریک زندگی ہوں جان کہتی ہے کہ میں تیری ہمراز ہوں)

چاروں طرف سے جب اپنی مدح و ثنا دیکھتا ہے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے۔

او چو بیند خلق را سرمست خویش　　از تکبر می رود از دست خویش

(جب وہ مخلوق کو اپنی طرف مائل دیکھتا ہے تو غرور کی وجہ سے بے خود ہوجاتا ہے)

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو خود بھی وہم ہوجاتا ہے کہ میں آخر کچھ تو ہوں جب تو لوگ مجھ کو ایسا کہتے ہیں۔

ننگ و ناموس کا علاج

اس کے بعد مولانا اس کا معالجہ بتاتے ہیں۔

خویش را رنجور سازد زار زار　　تا ترا بیروں کنند از اشتہار

(تو اپنے آپ کو رنجیدہ اور غم زدہ بنالے تاکہ لوگ تجھ کو مشتہر نہ کریں)

آگے اس شہرت کی مذمت فرماتے ہیں۔

اشتہار خلق بند محکم ست　　　　بند ایں . بند آہن کے کم ست

(مخلوق میں شہرت ایک مضبوط قید ہے اور . نیدز نجیر کی قید سے کم نہیں)

یعنی شہرت کی قید لوہے کی قید سے بھی سخت تر ہے ہزاروں کام دین کے ایسے ہیں کہ آدمی کو ان سے شہرت و وجاہت مانع[1] ہوتی ہے۔ دیکھو رکابی چاٹنا سنت ہے، لیکن بڑا آدمی جس کی طرف چار آدمیوں کی نظریں ہوں وہ مجمع میں سنت کوادا نہیں کرسکتا بہت سی رسوم ایسی ہیں کہ ننگ و ناموس کی وجہ سے بڑا آدمی نہیں چھوڑ سکتا اور گمنام چھوڑ دیتا ہے اور اس ننگ و ناموس کا علاج اگر کچھ ہے تو عشق و محبت حق تعالیٰ کی ہے جس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　　　وے طبیب جملہ علت ہائے ما

(اے عشق کہ تو ہمارے تمام بیماریوں کا طبیب ہے ہمیشہ قائم رہ)

اے دوائے نخوت و ناموس ما　　　　اے تو افلاطون و جالینوس ما

(اے عشق تو ہمارے عزت و ناموس کی دوا ہے اور ہمارے لیے تو ہی افلاطون اور جالینوس جیسا حکیم ہے)

ایسا شخص نہ بدنامی سے ڈرے گا اور نہ ننگ و ناموس اس کا سد راہ[2] ہوگی اور بہت آزادی سے کہدے گا۔

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں　　　　مانمی خواہیم ننگ و نام را

(اگرچہ عقلمندوں کے نزدیک گمنامی ایک بدنامی ہے مگر اس کے باوجود ہم شہرت نہیں چاہتے)

---

(۱) شہرت اور اقتدار روکتا ہے (۲) عار اور نام آوری اس کے لیے رکاوٹ نہیں بنیگی

اور یہ کہے گا

ساقیا برخیز و در دہ جام را　　　خاک بر سر کن غم ایام را

(اے ہمارے ساقی اٹھ اور ہمیں شراب دے اور غم ایام پر پر خاک ڈال)

ورنہ حضرت یہ ننگ و ناموس وہی ہے جس نے ابو طالب کو ایمان سے روک دیا، اور جب حضور ﷺ نے سمجھایا تو یہ کہا کہ ایمان تو لے آتا مگر کیا کہے گی خلقت کہ ابو طالب دوزخ سے ڈر گیا۔ اور کیا کہیں گی قریش کی بڑھیاں کہ ایک بچہ پر ایمان لے آیا وہی ننگ[1] ہم کو بھی خراب کر رہی ہے وہاں اور رنگ سے تھی۔ وہاں ایمان نہ تھا ایمان سے روک رہی تھی ہم چونکہ پہلے سے مسلمان ہیں اس لیے اس پر قائم تو ہیں مگر تارک[2] سنت ہیں ہم کو یہ ننگ اسلام سے بھی روکتی ہے اور اگر پہلے سے مسلمان بھی نہ ہوتے تو کیا عجب ہے کہ ہم کو یہ ننگ اسلام سے بھی روکتی اور ایک یہی ننگ کیا لاکھوں بلاؤں میں مبتلا ہیں، مجاہدہ کر کے ایک سے خلاصی ہوتی ہے دوسری بلا میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسے یہاں ترک لذات کیا تھا قوئ شہویہ کے مغلوب[3] کرنے کو لیکن ابتلا ہو گیا عجب اور اشتہار[4] کی بلا میں، بجز فضل کوئی چارہ نہیں ہے[5]۔ مولانا اسی مقام کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں دام و دانہ است اے خدا　　　ما چو مرغان اسیر بے نوا

(اس دنیا میں ہم ایک گرفتار پرندہ کی مانند ہیں اور جگہ جگہ سیکڑوں جال اور دانے پڑے ہوئے ہیں)

دمبدم پابستہ دام توایم　　　گر ہمہ شہباز و سیمرغے شویم

---

(۱) عار (۲) سنت چھوڑنے والے ہیں (۳) لذتوں کو چھوڑا تھا شہوانی قوتوں کو دبانے کے لیے (۴) لیکن مبتلا ہو گئے تکبر اور نام آوری کی بلا میں (۵) سوائے اس کے کہ اللہ کا فضل متوجہ ہو جائے اور کوئی صورت نہیں

(چاہے ہم شہباز اور سیمرغ ہی کیوں نہ ہو جائیں مگر اس کے باوجود قدم قدم پر نئے جال میں گرفتار نظر آتے ہیں)

میرہانی بردمے مارا و باز　　سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

(تو ہر دم ہمیں رہا کرتا ہے مگر ہم پھر دوسرے جال کی طرف چلے جاتے ہیں)

یعنی اے اللہ ہم عاجز ہیں ہمارا مجاہدہ کچھ کام نہیں دیتا لاکھوں جال ہیں اور ہم مثل حریص[1] پرندوں کے ہیں ایک جال سے آپ چھڑاتے ہیں دوسرے نئے جال میں ہم پھنس جاتے ہیں الحاصل یہ جاہ سخت مرض ہے اور جاہ کیا ہے چاہ ہے۔ چنانچہ یہ جاہ ہی کی خرابی ہے کہ شیطان نے پٹی پڑھادی کہ آم کھانا چھوڑو۔ خربوزے ترک کردو شہرت ہوگی یاد رکھو ان چیزوں کے چھوڑنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

اصل چیز اتباع نبی ﷺ ہے

اصل شے حکم کا اتباع ہے خواہ وہ حکم جو کچھ بھی ہو اگر یہ حکم ہو کہ اس وقت نماز نہ پڑھو، بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق کرو اس وقت وہی عبادت ہوگا اور اگر کہیں کہ روزہ توڑ دو، روزہ توڑنا ہی عبادت ہوگا۔ حدیث شریف میں قصہ وارد[2] ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک سفر میں سب کے سامنے پانی منگا کر پیا جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ روزہ سے نہیں ہیں تاکہ اور لوگ بھی افطار کردیں کیونکہ اس وقت ایک شرعی ضرورت افطار کی تھی۔ اس لیے سمجھدار لوگوں نے بھی یہ دیکھ کر روزہ افطار کیا اس لیے کہ۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں　　خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

---

(۱) لالچی پرندوں کی مانند (۲) قصہ آیا ہے

(اگر دیر کا بادشاہ مجھ سے طمع چاہتا ہے تو قناعت کے سر پر خاک ڈال دینی چاہیئے)

اور بعض نے افطار نہیں کیا ان کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا اولئک العصاۃ یعنی یہ لوگ نافرمان ہیں۔

محمود و ایاز کی حکایت

اس موقعہ پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی جو مولانا[۱] نے مثنوی شریف میں لکھی ہے کہ سلطان محمود پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ ایاز کے اندر کونسی خوبی ہے جس کی وجہ سے حضور اس کو اس قدر چاہتے ہیں؟ بادشاہ نے کہا کہ کسی موقع پر دکھلادیں گے کہ کیا بات ہے۔ ایک روز ایک بڑا بیش قیمت[۲] موتی خزانہ سے دربار میں منگایا گیا اور وزیر اعظم کو حکم دیا کہ اس کو توڑ ڈالو۔ وزیر اعظم سمجھا کہ بادشاہ کو شاید خلل دماغ[۳] ہوگیا ہے جو ایسے دُر بے بہا[۴] کو توڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ ادب سے عرض کیا کہ حضور اس حکم پر نظر ثانی فرمائیے۔ ایسا دُر[۵] شاید پھر نہ ملے گا۔ اس کے بعد دوسرے وزیر کو حکم دیا اس نے خیال کیا کہ جب وزیر اعظم نے نہیں توڑا تو میری کیا شامت آئی ہے۔ میں تو پھر بھی عقل میں کم ہوں غرض اس نے بھی عذر کیا سب نے اسی طرح عذر کردیا۔ سب کے بعد ایاز کو حکم دیا کہ ایاز اس کو توڑ ڈالو اکہا حضور بہت اچھا ایک پتھر نیچے رکھا اور ایک اوپر سے مارا چکنا چور کردیا۔ بادشاہ نے ایاز کی طرف نظر تادیب[۶] سے دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیا حرکت کی۔ ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ قصور ہوا۔ بادشاہ نے حاضرین سے کہا کہ بس یہ ادا ہے جس کی وجہ سے میں اس پر مرتا ہوں۔ وزراء نے ایاز سے کہا کہ

---

(۱) مولانا روم (۲) انتہائی قیمتی (۳) دماغ خراب ہوگیا ہے (۴) انتہائی قیمتی موتی (۵) موتی (۶) غصے کی نظر سے

تجھ کو کیا سوجھی تھی کہ ایسے درِ نایاب[1] کو تو نے ریزہ ریزہ کر دیا، ایاز نے کیا اچھا جواب دیا کہ ارے ظالموا میں نے تو موتی ہی توڑا ہے تم نے شاہی حکم کو توڑا۔ میرے نزدیک حکم شاہی موتی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

نقضِ حکم از کسرِ دُر دشوار تر   لاجرم بستم بامرِ او کمر

(حکم توڑنا موتی توڑنے کے مقابلے میں زیادہ سنگین ہے اس لیے ہم نے حکم کے بجالانے میں کمر باندھ لی)

پس اولئک العصاۃ[2] سے حضور ﷺ نے گویا یہ فرمایا کہ بتلاؤ ہمارا حکم زیادہ ہے یا تمہارا روزہ؟ تمہارے افطار نہ کرنے سے معلوم ہوا کہ تم ہمارے حکم کو اپنے روزہ سے کم سمجھتے ہو۔

شبہ اور اس کا جواب

اس مقام پر طالب علموں کو ایک سخت شبہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ ظاہر ہے کہ افطار کرنے کا حکم وجوبی[3] تو تھا نہیں پھر **اولئک العصاۃ** کیوں فرمایا عصیان تو ترک واجب[4] سے لازم آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بعض چیزیں ظاہر میں مباح[5] ہوتی ہیں لیکن چونکہ منشا ان کا برا ہوتا ہے اسلیے وہ شدید ہوجاتی ہیں۔ جب حضور ﷺ نے روزہ کھول ڈالا اور بعض نے نہ کھولا تو ان کے ذہن میں یہ تھا کہ روزہ رکھنا افضل ہے اور جب یہ سمجھا تو حضور ﷺ کو مرتکب جانا ترک اولیٰ[6] کا۔ پس من وجہ اپنے فعل کو اولویت کے درجہ میں گمان کیا اور نہایت

(۱) ایسے نایاب موتی (۲) یہ گناہگار ہیں (۳) امر واجب (۴) گناہ تو ترک واجب ہوتا ہے (۵) جائز (۶) جب روزہ رکھنا افضل سمجھا اور آپ نے روزہ کھول لیا تو گویا نعوذ باللہ آپ نے ایک افضل کام ترک کردیا پس اپنے آپ کو افضل کام کرنے والا اور حضور کو غیر افضل کام کرنے والا سمجھا اور یہ سخت گناہ ہے اس لیے اولئک العصاۃ فرمایا

سخت امر ہے۔

مجاہدے کی حقیقت

پس اے مجاہدہ کرنے والو ترک لذات کے اندر اپنے نفس کو خوب ٹٹولو۔ اگر اس ترک کو تم افضل عند الخلق[1] سمجھ کر کرتے ہو تو یاد رکھو یہ اندرونی مرض ہے اور اس کا منشاء حب جاہ[2] ہے اور اگر افضل عند الخالق[3] سمجھتے ہو تو بدعت ہے اور اگر ترک کو افضل[4] اور قربت نہیں جانتے بلکہ یہ جانتے ہو کہ ہم بیمار ہیں اور بیمار کو جیسے پرہیز کرنا لازم ہے ایسے ہی ہم بھی ان لذات کو ترک کرتے ہیں تو مبارک ہو اس کا کچھ حرج نہیں۔ مقصود تو یہ ہے کہ ان چیزوں کے ترک کو بزرگی اور تقدس مت سمجھو ہاں معالجہ کے واسطے لذائذ کو ترک کرنے کا مضائقہ نہیں مولانا فرماتے ہیں۔

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال　　　تو نہ کامل مخور می باش لال

(جو آدمی کامل ہوتا ہے اس کے لیے یہ جائز ہے کہ حلال روزی کھائے اور راز بیان کرے چونکہ تو جاہل ہے اس لیے تو خاموش رہ)

تو صاحب نفسی اے غافل میان خاک و خوں میخور
کہ صاحب دل اگر زہرے خورد آں انگبیں باشد

(اے غافل تو اپنے نفس کا غلام ہے اس لیے خاک و خون میں کھاتا رہ کیونکہ جو آدمی اہل دل ہوتا ہے وہ اگر زہر بھی کھائے تو شہد بن جائے)

پس یہ سمجھو کہ خربوزہ اور آم میرے قابل نہیں ہیں میری شان ان سے

---

(۱) مخلوق کے مقابلے میں افضل سمجھتے ہیں (۲) شہرت پسندی (۳) اللہ کے نزدیک افضل سمجھتے ہو (۴) ترک لذات کو

ارفع ہے اگر یہ سمجھ کر کسی نے خربوزہ چھوڑا ہے تو وہ خر اور بز[1] ہے اور آم چھوڑا ہے تو عام ہے خواص میں سے نہیں بلکہ یہ سمجھو کہ میں ان نعمتوں کے قابل ابھی نہیں ہوا میں مرض میں مبتلا ہوں حکیم جی نے مجھ کو ان چیزوں کا پرہیز بتلادیا ہے۔

حضور ﷺ کی جو عادت ہو وہ افضل عمل ہے

الحاصل ترک فواکہ ولذات[2] کوئی قربت نہیں ہے بلکہ افضل اور سنت یہی ہے کہ سب چیزیں کھایا کرے۔ اگر کوئی کہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا تو چاہیئے کہ یہ بھی افضل ہو حالانکہ بالاتفاق تثلیث غسل کا افضل ہونا[3] ثابت ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہاں حضور ﷺ نے ایک ایک مرتبہ وضو بیان جواز کے لیے کیا ہے۔ عادت تو تین تین مرتبہ کی تھی افضل وہی ہے جو عادت ہو اسی طرح ترک فواکہ[4] حضور ﷺ کی عادت نہ تھی۔ عادت شریف یہی تھی کہ جو پھل آگیا کھالیا اس لیے ترک کو افضل نہ کہا جاوے گا افضل فواکہ[5] کا کھانا ہی ہوگا لیکن اس سے طمّاع اور اکالین[6] خوش نہ ہوں کہ یہ تو اچھی سنت ہے اور انہماک فی المباحات واللذائذ پر استدلال[7] نہ کریں جیسے کسی اکال[8] کی حکایت ہے کہ پیٹ میں درد ہوا کسی نے ایک دوا دی کہ یہ کھالو۔ کہا کہ اگر اس کی گنجائش ہوتی تو میں دو لقمہ اور ہی نہ کھاتا بعضے آدمی رمضان شریف میں اس قدر کھاتے ہیں کہ رسید۔ پر رسید (ڈکار) چلی آتی ہے مگر وہ بس ہی نہیں

---

(۱) گدھا اور بکری (۲) میوے اور لذیذ چیزوں کا چھوڑنا کوئی ثواب کی چیز نہیں ہے (۳) ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھونا ثابت ہے (۴) پھل نہ کھانا (۵) افضل پھل کھانا ہی ہے (٦) لالچی اور بہت کھانے والے (۷) لذیذ اور مباح چیزوں میں منہمک ہونے پر دلیل نہ پکڑیں (۸) بہت زیادہ کھانے والا

کرتے۔ اعتدال ہر شے میں محمود ہے نہ اتنا کم کھاوے کہ بھوک سے آنتیں بولنے لگیں اور نہ اس قدر زیادہ کھاوے کہ منہ سے نکلنے لگیں۔ پیٹ سے کچھ کم کھاوے اور خیر پیٹ بھر کھالیوے تب بھی مضائقہ نہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ بعضے حریص پیٹ بھر کر پھر نیت بھرتے ہیں اور پھر شک رہتا ہے کہ شاید دن میں شام کو بھوک لگ جاوے اس لیے رفع شک کے لیے بھی کچھ تھے کھاتے ہیں اور یہاں سے اس حدیث کے معنیٰ بھی سمجھ میں آگئے ہوں گے کہ **المومن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعة امعا**۔ یعنی مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے یہ کنایہ ہے قلت اکل اور کثرت اکل[1] سے مطلب یہ ہے کہ مومن کو حرص کم ہوتی ہے۔ اس لیے وہ صرف پیٹ بھرنے پر اکتفا کرتا ہے اور کافر پیٹ بھی بھرتا ہے اور نیت بھی بھرتا ہے باقی رہی یہ بات کہ جو بزرگوں نے کہدیا ہے کہ روزہ میں کم کھاوے ورنہ روزہ کا فائدہ باطل ہوجاوے گا یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے نزدیک یہ مجاہدہ میں غلو ہے چنانچہ اس کو کئی بار مفصلاً بیان کیا گیا ہے۔ بہرحال حق تعالیٰ نے قل من حرم الخ میں ماکولات وملبوسات کی جو اہل مکہ تحریم کرتے تھے اس کا رد فرمایا۔[2]

شبہ اور جواب

لیکن یہاں شبہہ ہوسکتا تھا کہ گو یہ چیزیں حرام نہیں لیکن باوجود حرام نہ ہونے کے اگر ترک کریں توشاید مناسب اور مستحب ہو تو اس کو آگے دفع فرماتے ہیں۔ **قل ھی للذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا**[3] یعنی اے

---

(۱) اس سے کم کھانے اور زیادہ کھانے کی طرف اشارہ ہے (۲) کھانے اور پہننے کی چیزوں کو جو اہل مکہ حرام کہتے تھے اس کی تردید کی ہے (۳) الاعراف آیت ۳۲

محمد ﷺ آپ فرمادیجیے کہ یہ نعمتیں اہل ایمان کے لیے ہیں دنیا میں، اس سے معلوم ہوا کہ ترک کرنا مناسب نہیں بلکہ افضل و اولیٰ استعمال ہی کرنا ہے، اس لیے کہ جب ہمارے لیے تیار کی گئی تو ہم اگر نہ کھائیں گے تو یقیناً یہ نامرضی اور غیر پسندیدہ ہوگا۔ دیکھو اگر کوئی میزبان بڑے اہتمام سے مہمان کے لیے کھانے تیار کرائے اور وہ مہمان نہ کھائے تو میزبان کا دل ضرور ناخوش ہوگا۔

آیت کی ترکیب و تفسیر

یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں تو مومن اور کافر سب کے لیے ہیں پھر یہ کیوں فرمایا **هی للذین آمنوا فی الحیوة الدنیا**؟ اس کا جواب موقوف ہے اس آیت کی ترکیب سمجھنے[1] پر اس آیت کی ترکیب میں بہت سے اقوال ہیں اور ان اقوال ہی کے اعتبار سے تفسیر بھی آیت کی بدلے گی میرے ذہن میں جو اس آیت کی ترکیب و تفسیر آتی ہے وہ یہ ہے کہ خالصۃً حال ہے "ھی" ضمیر مصدر سے جو "ھی" ملفوظ کی خبر ثابتۃ میں مقدر ہے اور فاعل ہے ثابتۃ کی اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ حال ذی الحال کے لیے بمنزلہ قید کے ہوتا ہے پس یہ تخصیص مومنین کے مطلق انتفاع[2] کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ مطلق انتفاع تو عام ہے مومن و کافر سب کو پس یہ تخصیص انتفاع کی اس قید خالصۃ یوم القیمہ کے لحاظ سے ہے مطلب یہ ہے کہ یہ طیبات جس حال میں کہ کدورات و تبعات و معاقبات قیامت سے خالص ہوں یہ مومنین کے ساتھ دنیا میں مخصوص ہیں اور کفار جو ان سے متمتع ہوتے ہیں وہ معاقبات و تبعات

---

(۱) ترکیب کا سمجھنا موقوف ہے عربی صرف و نحو سمجھنے پر اس لیے یہ اشکال صرف و نحو جاننے والے کو ہوگا اس کا جواب دیدیا عوام کے لیے یہ بات نہیں ہے (۲) مطلق نفع اٹھانا

قیامت کے ساتھ مشوب ہیں یعنی مومنین کو ان طیبات کے متعلق کوئی سزا و عقاب نہ ہوگا[۱]۔ اور یہ خلوص عن العقاب تو آخرت کے اعتبار سے ہے جو یہاں مذکور ہے باقی مشاہدہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا میں بھی خالص لذت خالی از کدورت[۲] مومنین ہی کے لیے ہے اور کفار کے لیے کدورت سے خالی نہیں گو ان کو اس کدورت کا احساس نہ ہو اور غایت بے حسی سے ان کی ایسی مثال ہو گئی ہے جیسے ایک شخص کو کل مثلاً پھانسی ہوگی آج سلطان وقت کی طرف سے اس کو کھانے پینے کو دیا جارہا ہے اور اس کو خبر نہیں ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا[۳] اور مومنین کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ ان سے راضی ہے اور ان کو اپنی عطایا سے سرفراز فرمارہا ہے۔ پس ترک کرنا ان کا افضل نہ ہوا بلکہ کھانا ہی افضل ہے اور اسی واسطے اس سے پہلے جو **كلوا واشربوا ولا تسرفوا** ہے اس کے معنی میرے نزدیک یہ ہیں **ولا تسرفوا عن حدود الشرع اى تجريم الحلال**[۴] غرض سیاق و سباق[۵] دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تنگی نہیں ہے بلکہ توسیع ہے خوب کھاؤ پیو۔ اگر حلال کو حرام سمجھو گے تو اسراف ہوجاوے گا۔ مجھ کو اس تفسیر پر بالکل اطمینان ہے اس لیے اسی کو میں نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے۔ یہاں تک ذکر تھا ان چیزوں کا جو حلال تھیں اور وہ لوگ ان کو حرام سمجھتے تھے۔ اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ "انما" حرف حصر کی یہاں کیا ضرورت واقع

---

(۱) خلاصہ عبارت یہ ہے کہ گو کافر اگرچہ دنیا میں پھلوں کی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے لیکن اس سے جب آخرت میں اس کا مواخذہ اور اس پر سزا ہوگی تو یہ دنیاوی لذت بھی کچھ نہ ہوئی جبکہ مسلمان سے ان طیبات کے استعمال کرنے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا (۲) ایسی لذت جس میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو (۳) اگر اس کو پتہ لگ جائے کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے تو اس کو اسی کھانے میں ہرگز لذت نہیں آئیگی (۴) شرعی حدود سے تجاوز نہ کرو یعنی حلال کو حرام نہ کہو (۵) کلام کا اول و آخر دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے بلکہ درست ہے

ہوئی اور یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ حصر اضافی مراد ہے یعنی اے اہل مکہ وہ اشیاء حرام نہیں جن کو تم حرام کرتے ہو۔ بلکہ میرے رب نے تو وہ چیزیں حرام کی ہیں جن کو تم حلال سمجھتے ہو۔

بعض اشیاء مرغوبہ کا حرام ہونا عین رحمت ہے

یہ مطلب نہیں کہ یہی چیزیں حرام ہیں اور کوئی اور شے حرام نہیں ہے۔ اور "ربی" میں عجیب رحمت کا ظہور ہے وہ یہ ہے کہ "حرّم" سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء مرغوبہ نفس کو ہم سے روکتے ہیں تو اس میں محبت کی کمی کا شبہ ہوسکتا تھا جیسے کوئی کہے کہ دیکھوجی ایک روپیہ لینا زیادہ مت لینا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو "حرّم" فرمایا تو بس بد گمانی معلوم ہوتا ہے ہماری آزادی سلب کی جاتی ہے حالانکہ۔

بدگمانی کردن و حرص آوری   کفر باشد نزد خوان بہتری

(اگر تو اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کرے گا اور حرص رکھے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کے بڑے دستر خوان کے نزدیک کفران نعمت ہے)

پس "ربی" سے اس کو دفع فرماتے ہیں کہ ارے وہ حرام کرنے والی ایسی ذات ہے جس نے تم کو پالا ہے تمہارا مربی ہے تمہارا وجود نہ تھا وہ تم کو وجود میں لایا ہے تم نہ تھے اور پھر تم پر رحمت فرمائی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود   لطف تو نا گفتہ ما می شنود

(نہ ہم تھے اور نہ ہم نے دنیا میں آنے کا تقاضا کیا تھا مگر تیری مہربانی نے وہ بھی سن لی جو ہم نے نہیں کہی تھی)

جو ذات ایسی ہو کیا اس پر یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اس نے اب شفقت میں

کمی کی ہوگی؟۔ بلکہ شدت محبت ہی سبب ہوا ہے اس تحریم[1] کا، جیسے ماں باپ بچے کو بعض مضر چیزوں سے روکتے ہیں۔ بچہ چاہتا ہے کہ ان کو کھائے لیکن ماں باپ جانتے ہیں کہ اگر یہ کھائے گا تو اس کو نقصان ہوگا۔ اور بعض مرتبہ باپ کوئی شے لاتا ہے اور دیتا نہیں تاکہ بچہ روئے اور مانگے اور ضد کرے اس لیے کہ اس کا مانگنا اور ضد کرنا اور رونا دھونا اس کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ بعض اشیاء[2] تو بالکل جائز نہیں فرماتے کہ مطلقاً مضر[3] ہیں اور بعض اشیاء دعا کے بعد دیر میں اس لیے دیتے ہیں کہ جانتے ہیں کہ اگر ہم اپنے بندہ کو جو یہ شئے مانگتا ہے ابھی دیدیں گے تو پھر ہم سے یہ مانگے گا نہیں اور ہم کو یاد نہ کرے گا تم تو اس کو باعث غم و رنج جانتے ہو حالانکہ یہ غم ہزاروں خوشیوں کی کنجی ہے اسی گریہ کی نسبت مولانا فرماتے ہیں۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریان اوست اے خوشا آں دل کہ آں بریان اوست

(وہ آنکھ کتنی اچھی ہے جو اس کے لیے روتی ہے اور وہ دل کتنا اچھا ہے جو اس کے غم میں بھنتا ہے)

رو کر دعاء مانگنے کی برکت

یہ رونا ہی سبب ہوجائے گا ہنسی کا، رونے کی برکت میں اہل سیر نے ایک حکایت لکھی ہے، کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک پتھر کو دیکھا کہ رورہا ہے آپ نے اس سے وجہ پوچھی اس نے کہا جب سے مضمون وقودها الناس والحجارة[4] سنا ہے تب سے یہ حال ہے آپ نے یہ دعا کی کہ یہ پتھر جہنم میں نہ جاوے۔

---

(۱) بلکہ محبت کی زیادتی اس کو حرام قرار دینے کا سبب ہوئی ہے (۲) چیزیں (۳) اپنی ذات کے اعتبار سے نقصان دہ ہیں (۴) دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں

وعدہ ہو گیا آپ نے بشارت دیدی وہ تھم گیا چند روز کے بعد جو اس پر گذر ہوا تو پھر روتا ہوا پایا، پوچھا اب کیا ہوا کہنے لگا؟ کہ آپ کے تشریف لیجانے کے بعد خیال آیا کہ جب رونا ایسی پسندیدہ چیز ہے جس کی برکت سے یہ دولت ملی تو ایسی چیز کو کیوں چھوڑا جاوے۔ اور معلوم نہیں کہ کیا کیا دولت مل جاویگی صاحبو! ہماری سمجھ تو پتھر سے بھی کم نکلی۔ یاد رکھو حزن[۱] و غم بہت پسندیدہ حال ہے اس لیے کہ یہ مفتاح ہے بہت سعادات کی[۲] رو رو کر مانگنا اور ٹھنکنا[۳] حق تعالیٰ کو پسند ہے۔

حدیث شریف میں ہے ان اللہ یحب الملحین فی الدعاء[۴]
اور جو کسی کافر وغیرہ کو دیکھو کہ اس کا مانگا ہوا جلدی جلدی مل جاتا ہے تو وہاں یہ علامت ہوتی ہے عدم مقبولیت کی معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو اس کا مانگنا پسند نہیں آیا اس لیے جلدی سے دے کر نکال دیا۔ دیکھو اگر تمہارے دروازہ پر کوئی سائل آتا ہے تو اس کی آواز اگر کانوں کو بری معلوم ہو تو کہو گے کہ اس کو جلدی دے کو ٹالو۔ اور اگر کوئی خوش آواز یا کوئی حسین محبوب ہے تو ٹالو گے اور نہ دو گے کہ اچھا ہے کچھ دیر اور کھڑا رہے تاکہ اس کی آواز کانوں میں آوے۔ پس حق تعالیٰ کے یہاں سے غیر مقبول کو جلدی کسی شے کا مل جانا یہ علامت ہے اس کی کہ مقصود یہ ہے کہ اس کو جلدی دربار سے نکالو اور مقبول کو بدیر ملنا علامت اس کی ہے کہ اس کی گریہ وزاری پسند ہے۔ خوب سمجھ لو حق تعالیٰ کا نہ دینا یا دیر میں دینا اس کا منشاء[۵] مومن میں محبت ہے پس اگر باوجود مانگنے کے کوئی شے بالکل نہ ملے تو سمجھ لو کہ وہ شے تمہارے مناسب نہیں اس لیے نہیں ملی۔

---

(۱) پریشانی اور غم (۲) چابی ہے بہت سی نیک بختیوں کی (۳) بچوں کی طرح بھوں بھوں کر کے رونا (۴) اللہ تعالیٰ، رو رو کر دعا مانگنے والے کو پسند کرتے ہیں (۵) سبب

آنکس کہ توانگرت نمی گرداند او مصلحت تو از بہتر داند

(وہ شخص جو مجھے مالدار نہیں بناتا تو وہ اس کی مصلحت مجھ سے بہتر جانتا ہے)

اسی طرح جن اشیاء کی تشریعاً تحریم فرمائی ہے[۱] وہ ہمارے لیے مضر ہیں[۲]۔

آیت میں مذکور اشیاء

اب آگے آیت میں چند چیزیں مذکور ہیں جن پر تحریم وارد ہوئی ہے[۳] فواحش، اثم، بغی، شرک، **ان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون**۔ ظاہر میں تو یہ پانچ قسمیں ہیں لیکن جیسے اوامر کی تین قسمیں تھیں واقع میں یہ پانچ بھی تین قسموں کی طرف راجع ہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اوامر میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کل تین قسمیں ہیں عقائد، حقوق اللہ، حقوق العباد۔ یہاں بھی یہی قسمیں ہیں۔ فواحش ما ظہر ہوں یا باطن[۴] ہوں۔ اثم میں داخل ہیں اور اثم کا اطلاق اعمال متعلقہ دیانات پر زیادہ آتا ہے[۵] اس لیے یہ حقوق اللہ ہوئے یعنی ان کا ارتکاب کرنے سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور بغی کے معنی کسی پر ظلم کرنا ہے۔ یہ حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے اور **ان تشرکوا** میں ان کے عقائد فاسدہ آگئے۔ باقی فواحش کو جداگانہ لائے حالانکہ "الاثم" کے اندر داخل ہے اس لیے کہ خصوصیت مقام اور سبب نزول اس کو مقتضی ہے اور نیز اسی اہتمام کی وجہ سے اس کی تقسیم بھی فرمائی **ما ظہر منہا و ما بطن** ظاہر میں تو کھلی بے حیائی

---

(۱) جن چیزوں کو شرعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے (۲) نقصان دہ ہیں (۳) وہ چیزیں جن کو آیت میں حرام قرار دیا پانچ ہیں۔ بے حیائی، گناہ، ظلم کرنا شرک، اللہ پر جھوٹ باندھنا (۴) ظاہری بے حیائی باطنی گناہ میں داخل ہے (۵) اور اثم عام طور پر ان حقوق پر بولا جاتا ہے جو بندے اور اللہ کے مابین ہیں جب ان کو ترک کرے

داخل ہے جیسے برہنہ رہنا۔ اور برہنہ طواف کرنا۔ اور ما بطن میں وہ بے حیائیاں ہیں جو چھپ کر کرتے تھے جیسے زنا کرنا اور **ان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون** کا منشا بھی فساد عقیدہ[1] ہے۔ اس لیے یہ بھی حکماً **ان تشرکوا** میں داخل ہے یہ تو تفسیر ہے الفاظ آیت کی اس آیت سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے سب قسم کے گناہ اور سب زمانوں میں حرام فرمائے ہیں رمضان شریف کی کوئی تخصیص نہیں مگر فرق اتنا ہے کہ رمضان المبارک میں حرمت اور زیادہ بڑھ جائیگی جیسے کہ شرف مکان و زمان[2] سے نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح گناہ کے اندر بھی شدت زیادہ ہو جاتی ہے پس چاہیئے تو یہ کہ تمام گناہوں سے بچیں لیکن بالتخصیص[3] بعض ان گناہوں کو ذکر کرتا ہوں کہ جن میں ابتلاء[4] زیادہ ہے اور ان گناہوں کو بھی نہیں سمجھتے یا سمجھتے ہیں تو ہلکا جانتے ہیں ایسے گناہ کے افراد تو زیادہ ہیں مگر چند کلیات[5] عرض کرتا ہوں انشاء اللہ سب افراد اس میں آجاویں گے۔

ام الامراض بد نگاہی

ان میں سے بڑا بھاری گناہ جس کو لوگ ہلکا سمجھتے ہیں نظر کا گناہ ہے، اور بھاری میں نے اس کو باعتبار آثار کے کہا، اس کی ایسی مثال ہے جیسے گھڑی کے اندر بال کمانی ہوتی ہے کہ دیکھنے میں تو چھوٹی سی شے ہے لیکن سارا چرخہ[6] گھڑی کا اسی پر چلتا ہے۔ اسی طرح آنکھوں سے جو شعاعیں نکلتی ہیں وہ بال کمانی سے بھی زیادہ باریک ہیں لیکن قلب جو سلطان جسم ہے[7] اسی پر چلتا ہے۔ پھر

---

(۱) عقیدہ کی خرابی (۲) زمانے اور مکان کی بزرگی کیوجہ سے (۳) خصوصی طور پر (۴) لوگ زیادہ مبتلا ہیں (۵) اصول کلی (۶) گھڑی کے تمام پرزوں کا چلنا اسی پر موقوف ہے (۷) دل جو جسم کا بادشاہ ہے

قلب پر تمام چرخہ جسم کا حرکت کرتا ہے[۱] اس سے پرہیز نہیں جس کو چاہا گھور لیا جس کو چاہا تاک لیا۔ اصل گناہ زنا اور لواطت[۲] بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ آنکھوں پر اگر گناہ کا مدار ہوتا تو اندھے زنا نہ کیا کرتے۔ صاحبو! اندھے بھی اسکی بدولت مبتلا ہوتے ہیں۔ آواز سن کر تصور کرتے ہیں کہ یہ لڑکا یا عورت خوبصورت ہوگی۔ تو ان کے بھی دل میں یہی تصور اول ہوتا ہے کہ اس میں جو دیکھنے کی چیز ہے وہ ایسی ہوگی اگر لمس[۳] سے عاشق ہوتے تو روئی بہت نرم ہوتی ہے۔ اس پر کیوں عاشق نہیں ہوتے، پس گو ان کے اندر ظاہری نگاہ نہیں ہے مگر دل کی نگاہ تو ہے اسی سے وہ کام لیتے ہیں۔ پس اب میرا دعویٰ صحیح ہوگیا کہ جب خرابی ہوتی ہے نگاہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفع بازار میں آدمی چلا جارہا ہے اور کوئی آواز آئی تو اس کی طرف نگاہ خوبصورتی کے گمان سے اٹھتی ہے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ بد صورت ہے تو کبھی اس طرف نہ دیکھے۔ پس یہ نگاہ کیا ہے دلال معاصی[۴] ہے۔

من ابصارھم فرمانے کی حکمت

اسی واسطے حق تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے حفظ فروج کے امر سے پہلے **یغضوا من ابصارھم** فرمایا[۵] اصل مقصود تو حفظ فروج[۶] ہی ہے غض بصر[۷] اس کا طریقہ ہے اور کیا رحمت ہے حق تعالیٰ کی کہ "فروجھم" میں "من" تبعیضیہ نہیں لائے[۸] اور ابصارھم میں لائے۔ اگر یغضوا ابصارھم فرمادیتے تو جو مطیعین و

---

(۱) دل پر پورے جسم کا ڈھانچہ حرکت کرتا ہے (۲) بدفعلی (۳) چھونے (۴) گناہوں کی دلالی کرنے والی ہے (۵) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شرمگاہوں کی حفاظت کے حکم سے پہلے آنکھوں کو نیچا رکھنے کا حکم دیا ہے (۶) اصل حکم شرمگاہ کی حفاظت ہے (۷) آنکھوں کو پست رکھنا اس کا طریقہ ہے (۸) قرآن پاک کی عبارت میں "فروجھم" سے پہلے من داخل نہیں کیا جو بعضیت پر دلالت کرتا ہے اور "ابصارھم" پر داخل کیا ہے

محبین[۱] ہیں وہ تو عمر بھر کسی کی طرف دیکھ ہی نہ سکتے خواہ ان کے سامنے کچھ ہی آجاتا جس سے وہ ٹکرا کر چوٹ کھاتے گرتے پڑتے اور اس میں ظاہر ہے کہ دقت اور پریشانی ہوتی اور جن کو ہمت کم ہے یا نہیں ہے وہ اپنی حفاظت کے لیے ادھر ادھر کی چیزوں کو دیکھتے اور اس میں عورتوں وغیرہ پر بھی نظر پڑتی گو قصد شہوت[۲] نہ ہوتا مگر تب بھی نفسِ نظر ہی سے گناہ ہوتا کیونکہ تقدیر یہ ہے کہ "من" نہ ہونے سے علی الاطلاق غض بصر واجب ہوتا[۳] اور اس طرح سے گنہگار ہوتے اس لیے من ابصارھم فرمایا مطلب یہ ہے کہ بعض نگاہیں نیچی رکھیں یعنی وہ نگاہ جو قصداً نامحرم کی طرف ہو اس سے نظر فجارۃ[۴] مستثنیٰ ہو گئی مثلاً دیکھا تھا یہ خیال کر کے کہ ہمارا بھائی آرہا ہے اور اتفاق سے کسی عورت پر نگاہ پڑ گئی تو اس کا گناہ نہ ہوگا۔ اب گناہ وہی نگاہ ہوئی جو قصد[۵] کر کے نامحرم پر ہو اور بلا قصد معصیت[۶] نہ ہوئی حالانکہ عقلاً جرائم کی شان یہ ہے کہ خواہ کسی طرح ہو جرم ہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ حقوق العباد میں اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے۔ اگر کسی سے کسی کا مثلاً بلا قصد[۷] گلاس ٹوٹ گیا تو دام[۸] دینے پڑیں گے۔ اسی طرح آپ کے مقدمات متعارف[۹] میں جرم خواہ کسی طرح صادر[۱۰] ہو جرم ہی ہے۔ پس اسی قیاس کے موافق اگر نظر فجاءۃ[۱۱] کو بھی جرم قرار دیتے تو دے سکتے تھے۔ لیکن یہ رحمت ہے کہ اس کو جرم قرار نہیں دیا اس لیے کہ یہ خود ان کا حق ہے وہ اگر معاف کرے تو ہو سکتا ہے یہ اعتدال ہے۔ شریعت مقدسہ کا کوئی ایسا قانون

---

(۱) جو اللہ کا حکم ماننے والے اور اس سے محبت کرنے والے ہیں (۲) جان بوجھ کر شہوت سے نہ دیکھیں (۳) "من" کے داخل نہ ہونے کی وجہ سے نظر کا جھکانا واجب ہونا (۴) اچانک پڑ جانے والی نظر مستثنیٰ ہے (۵) ارادہ کر کے (۶) بلا ارادہ گناہ نہ ہوئی (۷) بغیر ارادے کے (۸) پیسے (۹) عام مقدموں میں (۱۰) جرم چاہے کسی طرح بھی کرے (۱۱) اتفاقی نظر

دکھلائے تو جس میں ایسی رعایت اور ایسا اعتدال اور حسن ہو، خدا کی قسم ہے شریعت کا وہ حسن و جمال ہے کہ بے اختیار یہ شعر زبان سے نکلتا ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(سر سے پیر تک جہاں بھی نظر ڈالتا ہوں تو رعنائی دل کا دامن کھینچتی ہے کہ یہی جگہ سب سے اچھی ہے)

اتفاقی نظر پر مواخذہ نہ ہونیکی وجہ

اگر کوئی کہے کہ نظر فجاءۃ کو اگر حرام قرار دیا جاتا تو یہ عقل کے خلاف تھا اس لیے کہ یہ اختیار میں نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے کہ اختیار میں نہیں اگر مزید احتیاط کرے تو اس سے بھی بچ سکتے ہیں اور قابل بچنے کے بھی کافی ہے اس لیے کہ گو اس میں گناہ نہیں لیکن علت اور روگ[1] لگنے کے لیے تو یہ بھی کافی ہے۔ع

مبتلا دل تھا، ہاتھ ہاتھ سے نکل گیا

تو باوجود اس کے اس سے بچنا ہمارے اختیار میں تھا لیکن اس میں ہم کو ذرا احتیاط زیادہ کرنی پڑتی۔ پھر جو اس کے اندر گناہ اور مواخذہ[2] نہیں تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس معانی میں ہمارا علاج ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بندہ کو نظر فجاءۃ سے کسی کی طرف میلان ہو گیا[3] اور ارادہ ہوا کہ اس کے ملنے کی کوشش کریں ادھر اس کے ذہن میں یہ بھی مضمون ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ میری نگاہ قابل مواخذہ[4] کے

---

(۱) اس لیے کہ جب اتفاقی نظر پڑی اور اس سے حسن نظر آیا تو ممکن ہے کہ عشق کا غم لگ جائے اور مصیبت میں مبتلا ہو (۲) پکڑ (۳) اچانک نظر سے کسی کی طرف دل مائل ہو گیا (۴) میری اس نگاہ پر گناہ ہو کر پکڑ ہو سکتی تھی

تھی مگر اس پر حق تعالیٰ نے مواخذہ نہیں فرمایا تو اگر کچھ عقل درست ہے تو سمجھے گا کہ اللہ اکبر کس قدر عنایت و رحمت ہے کہ میں نگاہ سے متمتع بھی[1] ہوا اور یہ کرم کہ مواخذہ نہیں فرمایا۔ اس مضمون میں اور زیادہ غور و خوض سے کام لے گا تو حب حق کا اس قدر غلبہ ہوگا کہ ندامت سے پانی پانی ہوجائے گا اور غیر کا خیال تک نہ رہے گا ہاں اگر حب حق[2] کو غالب نہ کرے اور فکر سے کام نہ لے تو اس کا کچھ علاج ہی نہیں ورنہ اگر ذرا عقل سے کام لے تو معلوم ہو کہ یہ بیماری جو ہمارے تمہارے اندر ہے اس کا علاج اور شفا بھی ہمارے ہی اندر ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

فداءک فیک و ما تبصر دواءک منک و ما تشعر
وانت الکتاب المبین الذی باحرفه یظهر المضمر[3]

انسان ایک عجیب شے ہے اسی واسطے حکماء نے اس کا نام عالم صغیر[4] رکھا ہے، غرض اس تصور میں یہ اثر ہے کہ اس روگ[5] سے شفا ہوجاوے گی۔ پس اس مواخذہ[6] نہ فرمانے میں بڑا اچھا علاج ہے، کسی نے خوب کہا ہے۔

درد از یارست و درمان نیز ہم دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

(اگر محبوب سے درد ملتا ہے تو اس کا علاج بھی اسی کے پاس ہے اس لیے دل و جان دونوں اس پر قربان ہیں۔

---

(۱) نگاہ سے فائدہ بھی اٹھایا (۲) اللہ کی محبت کو غالب نہ کرے (۳) پس تیری بیماری تجھ ہی میں ہے جو تو دیکھے اور تیری دواء بھی تیرے ہی پاس ہے اگر تو محسوس کرے اور تو تو ایک ایسی کھلی کتاب ہے کہ جس کے حروف اس میں پوشیدہ مضمون کو بیان کرتے ہیں (۴) چھوٹی دنیا (۵) بیماری (۱۰) گرفت نہ فرمانے پر۔

حسن خالق و حسن مخلوق میں فرق

پھر اس شے کا یہ مطالب ہے یعنی حسن اس کا مخزن بھی تو محبوب حقیقی اور جمیل حقیقی[1] ہے جیسے شعر مذکور کے بعد دوسرا شعر ہے۔

آنچہ میگویند آں بہتر زحسن　　　یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

(بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں سے زیادہ حسین ہے تو ہمارا محبوب ان سب سے بہتر ہے)

اگر حسن ہی پر فریفتگی ہے تو حسن کا خزانہ اور معدن اصلی بھی وہی ہیں۔

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہٗ　　　پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردہ

(اس نے اپنے حسن و جمال کو معشوق کے چہروں کے ذریعہ نمایاں کیا ہے۔ پس وہ اپنی جلوہ نمائی عاشقوں کی آنکھ کے سامنے کر رہا ہے)

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ما سوا حق تعالیٰ شانہ کے سب حادث[2] ہیں اور مظہر ہیں ذات پاک قدیم[3] کے پس ان حوادث کے تمام صفات بھی مظہر ہیں صفات ذات قدیم[4] کے اور ان کے حسن و جمال کی مثال جمیل کے سامنے ایسی ہے جیسے دیوار، کہ نور آفتاب سے منور ہوجاوے پس اگر کوئی نادان اس دیوار کو منور جان کر اس پر عاشق ہوجائے تو یہ اس کی نادانی ہے اس کو خبر نہیں ہے کہ یہ نور اس کا محض مستعار[5] ہے جو عن قریب معدن اس نور کا یعنی آفتاب اس کو اپنے ساتھ لیجاوے گا ایسے حسینانِ عالم کا حسن مجازی اور مستعار ہے۔ یہی حسین جن کے حسن پر لوگ فریفتہ ہیں اگر بیمار ہوجاویں یا ان کا سر منڈا دیا جائے تو وہ حسن

---

(۱) حسن کے اسی خزانہ کی اصل تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس میں حقیقی جمال ہے اور خوبصورتی ہے (۲) اللہ پاک کے علاوہ سب ہلاک ہونے والے ہیں (۳) دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں اللہ کی ذات قدیم کے اظہار کا ذریعہ ہیں (۴) ان ختم ہونے والی اشیاء کی صفات اللہ کی صفات کے ظہور کا ذریعہ ہیں (۵) عارضی طور پر مانگا ہوا

مبدل بہ قبح[1] ہوجاتا ہے یا بیمار نہ ہوں لیکن موت سے تو چارہ ہی نہیں، موت کے بعد یہ حسن کہاں چلا جاتا ہے جس کا تھا اس نے لے لیا۔ پس یہ حسن مجازی تو محض ملمع[2] ہے۔ عاقل سے بہت بعید ہے کہ اس حسن پر فریفتہ ہو اور اصلی حسن سے غافل ہو۔ مولانا اسی عشق کی نسبت فرماتے ہیں۔

عشق با مردہ نباشد پائدار　　　عشق را باحی و باقیوم دار

(عشق مردار کے ساتھ پائدار نہیں ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ سے عشق رکھو جو کہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔

غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں　　　عشقہائے اولیں و آخریں

(ایسے عشق میں ڈوب جاؤ جس میں پہلا اور آخری عشق ڈوبے ہوئے ہیں)

یہاں شبہ ہوسکتا تھا کہ ہم کو اس بارگاہ تک کیسے رسائی ہوسکتی ہے مولانا اس کا جواب دیتے ہیں۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست　　　با کریماں کارہا دشوار نیست

(تو یہ بات مت کہہ کہ ہماری پہنچ اس بادشاہ تک نہیں ہے کیونکہ کریموں کے یہاں کوئی کام مشکل نہیں ہے)

یعنی ہم کو تو بیشک وہاں رسائی[3] ممکن نہیں ہے لیکن انکو تو دشوار[4] نہیں ہے وہ جب چاہیں کچھ بھی مشکل نہیں چنانچہ چاہتے بھی ہیں لیکن اس قید سے چاہتے ہیں کہ یہ بھی چاہیں تو تم چاہ کر دیکھو۔ امتحان ہی کے طور پر چاہ کر دیکھ لو۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بھائی یہ تو ان لوگوں کا کام ہے جو دنیا سے بالکل منقطع[5] ہوجاویں اور دنیا کے کام کے نہ رہیں۔ یاد رکھو شیطانی شبہات ہیں۔ الحاصل اگر تم ایسے ہی حسن پرست ہو تو وہاں تو حسن بھی موجود ہے، بہرحال یہ علاج ہوا اس بلا کا

(۱) یہ خوبصورتی بدصورتی سے بدل جائیگی (۲) دھوکہ (۳) پہنچ (۴) مشکل (۵) دنیا سے اپنا تعلق توڑلیں

جو اس نظر سے پیدا ہوئی تھی پس ایسی ذات رحیم سے علاقہ قطع[1] نہ کرو اور غیر پر نظر نہ ڈالو۔ اور سینکڑوں جگہ تو آدمی گناہ بے لذت ہی کرتا ہے اور پہلی نگاہ تو چونکہ اچانک پڑی تھی اور ناتمام دیکھا گیا اس لیے ممکن ہے کہ وہ حسین نظروں میں بھلا معلوم ہو اور دوسری قصداً دیکھنے میں تو ممکن ہے کہ خیال کے خلاف نکلے اور ایسا بہت ہوتا ہے جیسا کسی نے کہا ہے۔

پس قامت خوش کہ زیر چادر باشد　　　چوں باز کنی مادر مادر باشد

(جو جسم کہ ڈھکا ہوتا ہے وہ اچھا لگتا ہے اگرچہ اسے کھولنے پر نانی بر آمد ہو سکتی ہے)

تو خوامخواہ گناہ بھی ہوا اور کچھ لذت بھی نہ آئی بلکہ اور الٹی کدورت[2] ہوئی اور اگر پہلے سے اچھا نظر آیا تو اور زیادہ حسرت ہوئی اس لیے کہ جو نظر آوے اس کا مل جانا تو ضروری نہیں اکثر بلکہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ ملتا نہیں اور پہلی نظر یعنی نظر فجاءۃ ہم خرما و ہم ثواب[3] کا مضمون رکھتی ہے۔ بس اب دوسری مرتبہ نظر نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ باوجود گناہ کے کچھ لذت نہ آوے یا حسرت زیادہ ہو جائے اور پہلی نظر سے اگر کوئی روگ[4] پیدا ہو تو اس کا علاج یہ فرمایا کہ گناہ نہیں لکھا اس لیے کہ انسان کی طبعی بات ہے کہ خوف سے اس کو اتنا تعلق اطاعت نہیں ہوتا جس قدر کہ محبت سے ہوتا ہے۔ پس اس عنایت کا مقتضی یہ ہے کہ اب نگاہ نہ کرو۔

---

(۱) تعلق نہ توڑو (۲) دل برا ہوا (۳) اچانک نظر مزے کا مزہ اور ثواب کا ثواب کا مصداق ہے
(۴) بیماری لگی

بد نگاہی کے نقصانات

دوسری بات یہ ہے کہ جن چیزوں کی حق تعالیٰ نے ممانعت[1] فرمائی ہے ان میں علاوہ دینی خرابی کے دنیوی مصیبت بھی تو ہے اس نظر ہی کو دیکھ لیجیے کہ اس سے جو خرابی اور مرض پیدا ہوتا ہے آدمی کو کسی حالت میں چین نہیں ہوتا ہر وقت پریشانی میں رہتا ہے پھر جن پر یہ مرتا ہے وہ بھی بے وفائی کرتے ہیں۔

وفاداری مدار از بلبلاں چشم — کہ ہر دم بر گلے دیگر سرایند

(بلبل سے وفاداری کی امید نہ رکھ کیونکہ وہ ہر وقت وہ دوسرے پھول کا گن گاتی ہے)

یہ بھی حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ یہ بے وفائی کرتے ہیں گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم قابل جی لگانے کے نہیں ہیں، علاوہ اس کے ایک اور اس بد نگاہی کی خرابی ہے وہ یہ ہے کہ بد نگاہ آدمی کے اندر قوت نہیں ہوتی اور نہ اس کا رعب ہوتا ہے بالخصوص اس شخص پر تو ہوتا ہی نہیں جس پر نگاہ کی ہے ہر طرح کی مضرتیں ہی مضرتیں ہیں[2] خصوص لڑکوں کو بری نظر سے دیکھنا اوران سے تعلق رکھنا یہ تو بہت ہی اشد[3] ہے اس لیے کہ عورتوں سے بچاؤ کے تو بہت سے سامان موجود ہیں۔اول تو عورتیں خود مردوں سے بچتی ہیں۔ دوسرے بدنامی کا اندیشہ جانبین[4] کو لگا رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ پردہ میں رہتی ہیں غرض ان سے ملنے کے لیے بہت سے موانع کو اٹھانا پڑتا ہے[5] بخلاف لڑکوں کے کہ وہ پردہ میں نہیں رہتے اوران سے بات چیت کرنے ملنے جلنے میں بدنامی نہیں ہے اور چونکہ عقل نہیں ہوتی اس لیے بھولے پن سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اوپر ان کو

---

(۱) جن چیزوں سے اللہ نے منع فرمایا ہے (۲) ہر طرح کی پریشانیاں ہی پریشانیاں (۳) بہت سخت بری بات ہے (۴) بدنامی کا خوف دونوں مرد و عورت کو ہوتا ہے (۵) بہت سی رکاوٹوں کو دور کرنا پڑتا ہے

بزرگانہ عنایت ہے شاذو نادر کسی کو صحیح ادراک ہوجاتا ہے[۱]۔ ہمارے مدرسہ میں ایک گاؤں کا لڑکا تھا تہجد گذار نورانی شکل ہم اسکو مثل اور لڑکوں کے معمولی لڑکا سمجھتے تھے ایک شخص کو اس کی طرف کچھ خیال ہوگیا وہ اس سے کچھ باتیں کیا کرتے۔ ایک روز اس لڑکے نے اس شخص سے یہ بات کہی کہ جب تم مجھ سے بات کرتے ہو تو میرے دل میں کدورت[۲] ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری نگاہ میری طرف اچھی نہیں۔ وہ شخص بھی تھے سچے کہ بھائی واقعی بات تو یہ ہے یہی۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ میں اپنے کو روکوں گا۔ اس لڑکے نے نہایت سمجھ کی بات کہی اور اس سے معلوم ہوا کہ اس کا قلب بہت صاف تھا ورنہ لڑکوں کو کیا پہچان ہوتی ہے۔ کہ یہ شخص ہم سے کس طرح ملتا ہے اور نہ ان کے سرپرستوں کو کچھ شبہ ہوتا ہے۔ غرض لڑکوں میں تمام اسباب خرابی کے مہیا ہیں[۳]۔ دوسرے اشد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں حلت کا محل تو ہیں[۴] اور عجیب رحمت ہے کہ جو محارم[۵] ہیں کہ محرمات ابدیہ ہیں[۶] اور کبھی حلت[۷] کا محل نہیں ہوتیں وہاں حق تعالیٰ نے باستثنائے زمانہ ابتدائے آفرینش نوع انسان کہ اس وقت فطری ضرورت تھی پھر ایک حاجب قدرتی یعنی تنفر پیدا کردیا ہے[۸]

---

(۱) شاید ہی کسی کو صحیح بات معلوم ہو کہ کس نگاہ سے دیکھ رہے ہیں (۲) ظلمت سی ہوتی ہے (۳) تمام اسباب خرابی کے پائے جاتے ہیں (۴) عورتیں انسان کے لیے کبھی نہ کبھی حلال تو ہوتی ہیں جیسے بعد نکاح (۵) جو لوگ محرم ہیں جیسے بہن، ماں، بیٹی وغیرہ (۶) ہمیشہ کے لیے حرام ہیں (۷) ان سے نکاح کبھی بھی حلال نہیں ہوتا (۸) مطلب یہ ہے کہ جب دنیا بنائی گئی تو اس کو بڑھانے کے لیے ایک ہی ماں باپ آدم، حوا سے پیدا ہونے والے بہن بھائیوں کا نکاح درست تھا اگرچہ اس میں بھی ایک وقت میں جو لڑکا لڑکی پیدا ہوتے ان کا نکاح آپس میں نہیں ہوسکتا تھا دوسرے وقت میں پیدا ہونے والے سے ہوتا تھا آبادکاری دنیا کے لیے ایک مختصر زمانے تک اس کی اجازت تھی پھر ممانعت ہوگئی بلکہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے دل میں ایسی نفرت پیدا کردی کہ کوئی اپنی بہن سے ازدواجی تعلق قائم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا چنانچہ عام طبیعتوں کا یہی تقاضا ہے

چنانچہ عام طبائع کا یہی مقتضا ہے باقی جو انسانیت ہی سے خارج ہو کر بہائم[۱] میں داخل ہو جاوے اس کا ذکر ہی کیا، چنانچہ مجوسیوں کے یہاں حقیقی بہن بھائی میں نکاح کی عادت ہے۔ کمبخت کیسے خبیث الطبع اور بے حس ہیں[۲]۔

ایک ضلع یہاں قریب ہے وہاں ایک شخص نے اپنی علاتی[۳] بہن سے نکاح کر رکھا ہے اور اس سے ایک جوان لڑکا بھی ہے اور باوجود اس شدید گناہ میں مبتلا ہونے کے اس کی تاویل کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ واخواتکم میں اخوات عینیہ[۴] مراد ہیں اسی واسطے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت نہیں ہے باقی جو محرم[۵] ہیں وہ تو ممکن ہے کہ نکاح سے اس وقت ان میں حل آجاوے غرض عورتیں فی نفسہا محل صالحہ تو ہیں، حق تعالیٰ نے ان کو بشرائط خاصہ پیدا ہی کیا ہے تمتع کے لیے[۶] اور لڑکوں میں تو کسی وقت بھی اس کا احتمال نہیں حتی کہ جنت میں سب تمتعات ہوں گے مگر یہ فعل خبیث[۷] نہ ہوگا۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ بعض عربی عبارتوں میں لکھ دیا ہے کہ جنت میں یہ فعل ہوگا۔ یہ قول بالکل غلط ہے پس ان وجوہ سے لڑکوں کا فتنہ اشد ہے۔

عورتوں کے لیے پردہ کا حکم اور بچوں کے لیے پردہ نہ ہونے کی حکمت

مجھ کو ایک مرتبہ یہ شبہ ہوا تھا کہ جب لڑکوں میں احتمال فتنہ کا زیادہ ہے اور عورتوں میں اس سے کم، اور بچنے کا سامان عورتوں میں زیادہ ہے اور لڑکوں میں

---

(۱) جانوروں (۲) خدا غارت کرے کیسی بری طبیعت کے بے حس لوگ ہیں (۳) باپ ایک ماں الگ الگ ہو ایسے بہن بھائی جو سوتیلے کہلاتے ہیں (۴) قرآن پاک کی آیت واخواتکم میں حقیقی بہن مراد ہے (۵) اس کے علاوہ جو عورتیں حرام ہیں تو کسی وقت نکاح سے حلال ہو سکتی ہیں (۶) ان عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص شرطوں کے ساتھ نفع اٹھانے ہی کے لیے پیدا کیا ہے (۷) برا فعل یعنی لواطت نہیں ہوگا

کم۔ تو باوجود اس کے جب عورتوں کو پردہ کرایا گیا ہے تو لڑکوں کو بطریق اولیٰ پردہ میں رکھنا چاہیئے کئی سال یہ شبہہ میرے قلب میں رہا۔ لیکن بحمدللہ اس کا جواب سمجھ میں آگیا۔ اس جواب کی بھی تقریر کرتا ہوں شاید کسی کو شبہ ہو تو صاف ہوجاوے اول اس جواب کے سمجھنے کے لیے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عورتوں کو امور خانگی[1] اور نسل بڑھنے کے لیے پیدا فرمایا ہے اور مردوں کو مصالح ملکی مثل زراعت تجارت و قضا، و امارت اور نیز مصالحہ خاصہ دینی مثل امامت۔ جمعہ و اعیاد و نبوت و ارشاد و غیرھا کے لیے پیدا کیا ہے[2] اسی واسطے سنت الہیہ یہی رہی کہ عورت نبی نہیں ہوئی یوں قدرت ظاہر کرنے کے لیے کسی عورت کو نبی بنادیا ہو وہ دوسری بات ہے۔ لیکن نبوت کے متعلق جو کام ہیں وہ کسی عورت سے نہیں لیے گئے اور نہ عورت سے ہوسکتے ہیں ان کو مرد ہی کرسکتے ہیں۔ اسی سنت پر حضرات مشائخ نے عمل کیا ہے کہ مردوں ہی کو خلیفہ بنایا ہے۔ عورت اگرچہ صاحب نسبت اور قابلیت اس کی رکھتی ہو لیکن اس کو خلافت کسی نے نہیں دی اور اسی میں مصلحت ہے۔ گو اس زمانہ میں لوگ اس فکر میں ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے برابر سمجھا جاوے اور جہاں اس پر عمل شروع ہوگیا ہے۔ وہ خود اس سے پریشان ہیں اس کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ عورتیں جن مصالح کے لیے پیدا کی گئی ہیں وہ مصالح[3] پردہ میں بھی حاصل ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے اور مردوں کو جن امور کے لیے پیدا فرمایا وہ پردہ میں رہنے سے حاصل نہیں ہوسکتے اور یہ ظاہر ہے کہ اکتساب کمالات[4] کا زمانہ بچپن کا ہے۔ پس اگر لڑکوں کو پردہ میں

---

(۱) گھر کے کام کاج اور نسل بڑھانے کے لیے (۲) مردوں کو ملکی کام مثلاً زراعت، تجارت، مقدمات کے فیصلے اور حکومت کرنے کے لیے اور دینی کام جیسے امامت، جمع اور عیدین اور رشد و ہدایت کے لیے پیدا کیا ہے (۳) وہ مصلحتیں (۴) کمالات سیکھنے کا زمانہ

رکھا جاوے تو کمالات مختصہ بالرجال سے محروم رہیں گے[1]۔ اور یہ سبب ہوگا اخلال تمدن و مصالح ضروریہ کا[2] اس لیے ان کو تو اجازت آزاد پھرنے کی دی گئی اور عورتیں جن مصالح کے لیے موضوع[3] ہوئی ہیں وہ پردہ میں رہ کر بھی حاصل ہوسکتے تھے بلکہ پردہ میں رہ کر خوبی کے ساتھ ان کی تحصیل ہوسکتی تھی اس لیے ان کو یہ آزادی نہیں دی گئی۔

بے پردگی کی حقیقت اور اس کے نقصانات

آج کل لوگ اس کوشش میں بھی ہیں کہ پردہ مروجہ اٹھادیا جاوے اور عورتیں کھلے مہار آزادی سے فٹن[4] پر بیٹھ کر گھوما کریں اور اس کو بے پردگی نہیں جانتے حالانکہ یہ سخت بے حیائی ہے، باقی میں اس کو بے پردگی نہ کہوں گا جو غریبوں کی عورتیں منہ چھپا کر گھونگھٹ نکال کر میلے کچیلے کپڑوں میں شروم حیا کے ساتھ اپنے کسی کام کے لیے باہر نکلتی ہیں اس لیے جو روح ہے پردہ کی وہ ان کو حاصل ہے اور یہاں سے ان متکبرین کا جواب بھی نکل آیا جو علماء سے غربا کی نسبت تحقیراً پوچھا کرتے ہیں کیوں صاحب ان جولاہوں تیلیوں کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں باہر پھرتی ہیں اور ہماری عورتیں پردہ کرتی ہیں کیا ان کے پیچھے ہماری نماز ہوجاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کی عورتیں پردہ کرتی ہیں گو باہر نکلتی ہیں اور تمہاری عورتیں پردہ نہیں کرتی ہیں گو گھر میں بیٹھتی ہیں۔ چنانچہ چچا زاد بھائی۔ نندوئی[5]، دیور[6] جیٹھ[7] پھوپھی زاد۔ ماموں زاد بھائی سب کے سامنے آتی ہیں۔ اور

---

(۱) ایسے کمالات سے جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں وہ محروم رہیں گے (۲) اس سے ملکی تمدن اور مصلحتوں میں رکاوٹ پیدا ہوگی (۳) جن مصلحتوں کے لیے بنائی گئی ہیں (۴) گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر آزادانہ گھوما کریں (جیسا آج کل ہوگیا ہے) (۵) شوہر کی بہن کا شوہر (٦) شوہر کا چھوٹا بھائی (٧) شوہر کا بڑا بھائی

سامنے بھی آتی ہیں ایسی صورت سے کہ بنی ٹھنی مانگ نکال رکھی ہے۔ مسی کی دھڑی[1] جمی ہوئی ہاتھوں میں کڑے، چھڑے، چوڑیاں، ہیں[2] گوٹے ٹھپے کے کپڑے ہیں اور بالکل بے محابا[3] آتی ہیں۔ اور پھر غضب یہ ہے کہ ان کے ساتھ، ہنسی دل لگی بھی ہوتی ہے پھر کس منہ سے کہتے ہیں کہ ہماری عورتیں پردہ میں رہتی ہیں۔ اور غریبوں کی عورتیں میلی کچیلی منہ چھپا کر اپنی ضرورت کے لیے حیا کے ساتھ باہر پھرتی ہیں۔ پس یہ بے پردگی نہیں ہے۔ بے پردگی بی۔ اے اور ایم اے اور ایف اے پاس عورتوں کی ہے کہ کھلے منہ مردوں کی طرح آزادی سے بوٹ سوٹ سے آراستہ پھرتی ہیں۔ ایک شخص تعلیم یافتہ اپنی بیوی سے کہتے تھے کہ کاش وہ دن ہو کہ میں ہوں اور تم ہو اور ٹھنڈی سڑک پر ہاتھ میں ہاتھ لے کر گھومیں یہ اثر ہے اس نئی تعلیم کا۔

مومن ہو یا کافر حیا سب کے اندر ہے لیکن اگر نہیں ہے تو اس نئی تعلیم میں نہیں ہے ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک لڑکا نو تعلیم یافتہ ہے وہ اپنی بیوی سے نفور[4] ہے اور اس کے عزیزوں میں کوئی لڑکی ہے وہ ایم۔ اے پاس ہے اس سے اس کا تعلق ہے اور اس لڑکی کا بھی میلان اس کی طرف ہے اور اس لڑکی کے ماں باپ نے جو شادی کرنا چاہا تو اس نے صاف انکار کیا اور یہ کہا کہ ہم اپنی مرضی کا ڈھونڈھیں گے جس کا ہم نے تجربہ کرلیا ہو۔ جناب یہ نتیجہ ہے اس آزادی اور تعلیم جدید کا۔ جن عورتوں کی یہ حالت ہو بتلائیے وہ کیا مصالح خانگی کو انجام دے سکیں گی[5] اگر خاوند بیمار ہو تھکا ہو وہ کیا پاؤں دبائیں گی یا بچوں کی خدمت کریں گی۔ ہاں بس اس کام کی ہیں کہ اولاد جنا کریں بلکہ اگر کوئی مشین جننے کی ایجاد ہو تو یہ

---

(۱) میکپ کیا ہوا ہے (۲) حاتوں کانوں میں خوب زیور پہن رکھا ہے (۳) آزادانہ چلی آتی ہیں (۴) بیوی سے بھاگتا ہے (۵) گھریلو مصلحتوں کا کیا خیال رکھ سکیں گی

اس سے بھی آزاد ہوجائیں اور یہ کہدیں کہ کیا ہمارا پیٹ فٹن[1] ہے جو ہم بچہ کا بوجھ لادے لادے پھریں۔ اب بھی ان سے جس قدر ہوسکتا ہے بچوں سے قطع تعلق رکھتی ہیں، بچہ پیدا ہوا اور کسی عورت کے حوالہ کردیا۔ الحاصل عورتوں کی آزادی اور بے پردگی میں وہ مصالح جن کے لیے عورتیں پیدا ہوئی ہیں حاصل نہیں ہوسکتے ہیں۔ وہ پردہ ہی میں حاصل ہوسکتے ہیں اور پردہ کا مفہوم عام ہے یعنی وہ بھی پردہ ہی ہے جو رؤسا میں ہے اور وہ بھی پردہ ہے جو غریبوں کی عورتوں میں ہے۔ بے پردگی وہ ہے جو آزاد عورتوں میں ہے۔ کما بینا مفصلا[2]۔

اور لڑکوں کو پردہ میں بٹھلایا جاوے گا تو ظاہر ہے کہ داڑھی نکلنے تک ان کو پردہ میں رکھا جاوے گا۔ اور ڈاڑھی مثلاً اٹھارہ برس کی عمر میں نکلی اب اس عمر میں وہ کیا کمالات حاصل کریں گے۔ شریعت کا یہ قاعدہ ہے کہ جس شئے کے اندر مفاسد[3] لازم آویں تو اگر وہ شئے غیر ضروری ہے تو اس شئے کو منع کردیا جاتا ہے اور اگر وہ شئے ضروری ہے تو اس کو منع نہیں کیا جاتا ہاں ان مفاسد کا انسداد--- حتی الوسع[4] کردیا جاتا ہے۔ پس اسی قاعدہ کی بنا پر جو خروج النسا[5] چونکہ ضروری نہیں تھا اور اس سے مفاسد[6] لازم آتے ہیں اس لیے اس کو روک دیا گیا اور خروج الرجال[7] ضروری ہے اس کو منع نہ کیا جاوے گا ہاں شہوت پرستوں اور نظر بازوں سے اس کو حتی الوسع بچایا جاوے گا[8]۔

---

(۱) ایک سواری ہے (۲) جیسا ہم نے تفصیل سے بیان کردیا (۳) نقصانات پیش آئیں (۴) ان نقصان دہ چیزوں کو بقدر استطاعت روکدیا جاتا ہے (۵) عورتوں کا باہر نکلنا (۶) نقصان ہوتا تھا (۷) مردوں کا باہر نکلنا (۸) شہوت کو چاہنے والو

عورت کو بری نظر سے دیکھنے اور بچے کو دیکھنے میں فرق

بہر حال مقصود میرا یہ ہے کہ لڑکا ہو یا عورت ہو اپنی نگاہ کو دونوں سے بچانا چاہیے۔ اس نظر کے گناہ کو ہم فواحش میں داخل کرسکتے ہیں۔ ما ظہر میں تو عورتوں کے دیکھنے کو داخل کیا جاوے گا اس لیے جو شخص کسی عورت کو دیکھتا ہے اور اس وقت کوئی اس کو دیکھ لے تو وہ سمجھ جاوے گا کہ یہ اس کو گھور رہا ہے اور برا کرتا ہے اگرچہ نظر اس کی ناپاک نہ ہو اور لڑکوں کے گھورنے کو ما بطن میں داخل کرسکتے ہیں اس لیے کہ ان کو دیکھنے والے کو کوئی برا نہیں جانتا اگرچہ بری ہی نظر ہو اور نظر کے گناہ کو فواحش میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فاحشہ کہتے ہیں اس بیہیائی کو جس کو آدمی چھپاوے جیسے قتل ہے، شراب پینا ہے۔ ان کو آدمی چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کسی کو خبر نہ ہوجائے۔ اور گناہ نظر بھی ایسا ہی ہے اور یوں تو ہر گناہ بیہیائی ہے چنانچہ اس کی ایک دلیل ہے۔ حق تعالیٰ ازواج مطہرات کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

يا نساء النبى من يات منكن بفاحشة مبينة يضاعف لها العذاب ضعفين[1].

فاحشہ کی تفسیر

فاحشہ کی تفسیر جاننے سے پہلے سننے والے کا ذہن شاید اس طرف منتقل ہو کہ فاحشہ سے مراد نعوذ باللہ زنا ہو یاد رکھو انبیاء علیہم السلام کی بیبیوں میں اس کا شبہ بھی نہیں ہوسکتا ہے اس لیے جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الطیبات للطیبین[2]۔ نبی خود

---

(۱) سورۃ الاحزاب آیت: ۳۰ (۲) پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں

پاک ہوتے ہیں ان کے لیے بیبیاں بھی پاک ہی تجویز کی جاتی ہیں۔ ہاں کسی کسی نبی کی بیبیوں سے کفر ہوا ہے۔ مگر زنا کا صدور ان سے نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اس سے منصب نبوت میں خلل ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انبیاء جس قدر ہوئے ہیں صاحب جاہ ہوئے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے سب معزز خاندان سے ہوئے ہیں اور حکمت اس میں یہ ہے کہ جو اثر خاندانی آدمی کا قوم پر ہوتا ہے وہ دوسرے کا نہیں ہوسکتا۔ اور اس کے اتباع سے کسی کو عار نہیں ہوتی اور اگر کسی آدمی کی بیوی زانیہ ہو تو اس سے تو جاہ میں قدح[1] ہوتا ہے۔ اور اگر نماز نہ پڑھے یا کفر کرے تو اس کو عرفاً بے عزتی کا سبب قرار نہیں دیا جاتا اس لیے فاحشہ سے مراد زنا تو ہو نہیں سکتا بلکہ فاحشہ مبینہ سے مراد ایذا رسانی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی اس لیے کہ قصہ اس کے نزول کا یہ ہوا تھا کہ ازواج مطہرات نے حضور ﷺ سے زیادہ خرچ مانگا تھا۔ چنانچہ اول آیتوں میں اس کی تصریح بھی ہے ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا[2]۔ اس سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوئی اور اگر فاحشہ سے مراد زنا ہوتا تو اس کے مقابلہ میں آگے عفت کا ذکر ہوتا ہے حالانکہ اس کے مقابلہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے و من یقنت منکن للہ ورسولہ[3]۔ اور حضور ﷺ کی ایذا رسانی کو بیحیائی اس لیے فرمایا کہ ایسے محسن کو تکلیف پہنچانا بے حیائی ہی ہے اس واسطے کہ جس کے حقوق کے بہت سے مقتضیات موجود ہوں اس کے حقوق کو ضائع کرنا بے حیائی ہے بس جبکہ حضور ﷺ کے حقوق کے بہت سے مقتضیات موجود تھے اس لیے حضور ﷺ کی ایذا بیحیائی ہوئی اور یہاں سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے گناہ تو

---

(۱) عظمت میں کمی آتی ہے (۲) الاحزاب آیت ۲۸ کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو (۳) الاحزاب آیت ۳۱ اور جو کوئی تم میں اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریگی

بطریق اولیٰ بیمیائی میں داخل ہوں گے پس ثابت ہو گیا کہ ہر گناہ بیمیائی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا اطلاق ان گناہوں پر زیادہ آتا ہے جس کو آدمی چھپاتا ہے۔ بہر حال شہوت کے متعلق جس قدر گناہ ہیں خدا کے لیے ان کو چھوڑ دو اور رمضان المبارک میں تو ضروری ہی ان سے توبہ کرلو۔ انشاء اللہ یہ توبہ بعد میں بھی قائم رہے گی۔

غیبت "البغی" میں داخل ہے

ایک گناہ کثیر الوقوع[۱] اور ہے وہ کیا ہے غیبت اور یہ گناہ رمضان اور غیر رمضان دونوں زمانوں میں بہت ہوتا ہے۔ لیکن رمضان میں زیادہ ہوتا ہے اس لیے کہ اور کام تو کچھ ہوتا نہیں دن ختم ہونے کے لیے بیکار بیٹھے ہوئے غیبت ہی کیا کرتے ہیں۔ اسی واسطے میں سونے والے کو ایسے شخص سے اچھا سمجھتا ہوں اس گناہ کو "البغی" میں داخل کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بغی کے معنیٰ ظلم کے ہیں اور ظلم یہ ہے کہ کسی کا حق فوت کرنا لوگ حقوق العباد بس اس ہی کو سمجھتے ہیں کہ کسی کا پیسہ ٹھگ لیا، کسی کی زمین دبالی۔ یاد رکھو حقوق العباد کی تین قسمیں ہیں۔ کسی کی آبرو[۲] جان یا مال کو لینا پس غیبت کرنے میں مغتاب[۳] کی آبروریزی ہے اس لیے یہ بھی حق العبد[۴] میں داخل ہے۔

کثیر الوقوع گناہ

تیسرا گناہ کہ وہ بھی کثیر الوقوع ہے کہ پرائے حقوق واپس نہیں کرتے، گناہ کا باقی رکھنا بھی گناہ ہے۔ رشوت لینے والے، سود لینے والے رمضان

---

(۱) بہت زیادہ پیش آنے والا (۲) عزت (۳) جس کی غیبت کی جائے (۴) یہ بھی بندے کا حق ہے

المبارک میں بھی رشوت اور سود سے توبہ نہیں کرتے۔ اور ایک قسم سود کی ایسی ہے کہ اس کو سود ہی نہیں سمجھتے وہ یہ ہے کہ رہن کی آمدنی سے منتفع[1] ہوتے ہیں۔ غلہ اس کا کھاتے ہیں۔ اگر باغ ہو تو آم کھاتے ہیں۔ بعض رشوتیں ایسی ہیں کہ ان کو رشوت نہیں جانتے بلکہ اپنا حق جانتے ہیں مثلاً بڑے بڑے نذرانے لے کر مقدمات کی پیروی کرتے ہیں۔ رشوت کو اہل اہتمام نے ساتھ خاص سمجھتے ہیں۔ اگر کسی سفارش کر کے کچھ لے تو اس کو رشوت نہیں سمجھتے۔

اجرت نکاح کی شرعی حیثیت

ایسے ہی قاضیوں نے نکاح خوانی کے لیے اپنے نائب مقرر کیے ہیں۔ ایک روپیہ چار آنے ملتا ہے۔ ایک روپیہ قاضی کا اور چار آنے نائب کے ان ابواب کو لوگ رشوت نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ سب رشوت ہے اس لیے کہ رشوت کی تعریف یہ ہے کہ کسی غیر متقوم شے کے عوض میں مال لینا، مثلاً حکام جو لیتے ہیں وہ اگر فیصلہ حق کرتے ہیں تو یہ فیصلہ کرنا عبادت ہے اور وہ متقوم[2] نہیں ہے۔ اور تنخواہ جو ان کو ملتی ہے وہ عبادت کی نہیں ہوتی بلکہ تنخواہ اس بات کی ہے کہ اس نے اپنا وقت مسلمانوں کے کام میں صرف کیا ہے اس لیے اس کا نفقہ[3] بیت المال میں ہے اور اگر اس فیصلہ کو متقوم[4] بھی کہا جائے تو ایک مرتبہ متقوم[5] ہو گیا ہے کہ اس کے عوض تنخواہ مل چکی ہے۔ اب اور مال لینا یہ غیر متقوم[6] کے عوض میں ہے۔

---

(۱) نفع اٹھاتے ہیں جو جائز نہیں ہے (۲) اور عبادت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی (۳) مسلمانوں کے کام میں اپنا وقت خرچ کرنیکی وجہ سے اس کا خرچہ بیت اللہ میں سے دیا جائیگا (۴) قابل قیمت بھی کہا جائے (۵) ایک مرتبہ قیمت مل چکی جو تنخواہ ہے (۶) اور اب جو ہدیہ کیصورت میں لیا گیا ہے وہ ایسے کام کا عوض ہے جس کی قیمت نہیں ہے

اسی طرح جو شخص کسی کے کام میں لگا ہو اس کا نفقہ اس شخص کے ذمہ ہے جیسے بیوی کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے اس لیے کہ وہ اس کے کام میں محبوس ہے۔ اسی واسطے اگر وہ نافرمانی کر کے کہیں چلی جاوے تو نفقہ ساقط[1] ہوجاتا ہے۔

اسی طرح مفتی عالم قاضی مدرس حاکم ان سب کی تنخواہ بیت المال میں ہے اور اگر خلاف حق کے فیصلہ کیا ہے تو یہ گناہ ہے۔ اور گناہ کی تنخواہ لینا ناجائز ہے اسی طرح کسی کی سفارش کرنے پر کچھ لیا جائے یہ بھی رشوت ہے اس لیے کہ شفاعت[2] عبادت ہے۔ بعض قوموں میں لڑکی کے نکاح پر رشوت لیتے ہیں یہ بد ترین فرد[3] رشوت کی ہے اسی طرح لڑکی والے لڑکے والے سے جو خرچ کی فرد[4] دیتے ہیں اور ان سے روپیہ لیتے ہیں یہ سب رشوت ہے اس لیے کہ کمینوں کا خرچ[5] جو ان سے لیتے ہیں ان کمینوں نے ان کی خدمت کہاں کی ہے جو ان کے حق میں وہ متقوم[6] ہو اگر خدمت کی ہے تو لڑکی والوں کی کی ہے ان سے لینا چاہیئے اسی طرح نکاح خوانی کی اجرت جو لڑکے والوں سے دلواتے ہیں یہ بھی رشوت میں داخل ہے، نکاح پڑھانے کی اجرت تو فی نفسہ جائز ہے لیکن کلام[7] اس میں ہے کہ کون دے تو ذمہ پر اس شخص کے ہے جس نے نکاح خواں سے عقد اجارہ[8] کر کے اس کو مستاجر بنا کر لایا ہے تو وہ لڑکی والا ہے اور پھر یہ جو رسم ہے کہ ایک روپیہ تو منیب یعنی قاضی صاحب لیں اور چار آنے نائب صاحب تو یہ چار آنے جائز تھے اگر وہی شخص دیتا جو اس کو اجیر[9] بنا کر لایا ہے۔ لیکن یہ ایک روپیہ تو قاضی صاحب کو بالکل ہی جائز نہیں اتنا فرق ہے کہ قاضی صاحب زیادہ حرام

---

(۱) اب خرچہ شوہر کے ذمہ فرض نہیں (۲) سفارش (۳) بہت بری قسم رشوت کی ہے (۴) خرچہ کی فہرست (۵) نچلے درجہ کے ملازمین جیسے جمعدار وغیرہ (۶) قابل قیمت (۷) گفتگو اس بات میں ہے (۸) جس نے اس نکاح خواں کو نکاح پڑھانے کے لیے بلایا ہے اور اس کو اجرت پر لایا ہے (۹) اجرت پر لیکر آیا تھا

خور ہیں اور نائب صاحب کم درجہ میں ہیں۔ اور اگر قاضی صاحب اس واسطے لیتے ہیں کہ ہم نے اس کو نائب مقرر کیا ہے تو نائب مقرر کرنا کوئی متقوم[1] شئے نہیں ہے جس کا عوض ہو اور ایک شرط نکاح خوانی کے جواز کی یہ بھی ہے کہ قاضی صاحب کا دباؤ بھی نہ ہو کہ ہمارے ہی آدمی سے نکاح پڑھوایا جاوے اور اجرت اسی قدر ہو۔ غرض نکاح خوانی کی اجرت کے جواز میں اتنی شرطیں ہیں کہ اجرت دینے والا وہ ہو جس سے معاملہ ہوا ہے اور اجرت وہ ہو جو باہم طے ہوجائے کسی خاص مقدار کی قید نہ ہو اور دباؤ بھی کسی کا نہ ہو اگر یہ سب شرطیں پائی جاویں تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔ لیکن ان شروط کی لوگ رعایت نہیں کرتے اس لیے یہی بہتر ہے کہ اس رسم کو بالکل چھوڑ دیا جاوے اور نکاح جس سے چاہیں پڑھوالیں۔

بہرحال رشوت کی سیکڑوں صورتیں ہیں سب سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ یہ سب گناہ "البغی" میں داخل ہیں اس کے بعد "بغیر الحق" قید واقعی ہے احترازی نہیں ہے[2] اور ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں بغیر الحق عندک یعنی تم اپنے قلب سے پوچھ لو اپنا پرایا تو صاف معلوم ہوجاتا ہے جو تمہارے نزدیک ناحق ہو وہ تو اور بھی زیادہ برا ہے۔

کافر اور مسلم کے شرک میں فرق

بعضے گناہ اور بھی ہیں جوان تشرکوا باللہ (یعنی اللہ کا شریک کرنا اور ان تقولوا علی اللہ یعنی اللہ پر جھوٹ باندھنا کے اندر داخل ہیں۔ اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ مومنین میں نہیں ہیں، کفار ہی کے اندر ہیں لیکن حقیقت یہ

---

(۱): سب مس . . . قابل قیمت نہیں (۲) مطلب یہ نہیں ہے کہ جو بغیر الحق نہ ہوں وہ جائز ہے بلکہ گناہ سب ہی ناحق ہوتے ہیں اسی لیے فرمایا کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے

ہے کہ کفار جیسے کفر کے اندر اشد[۱] تھے اسی طرح ان کے اندر یہ گناہ بھی اعلیٰ درجہ میں تھے اور مومنین کے اندر بھی ان کی حقیقت پائی جاتی ہے گو اس درجہ کی نہ ہو مثلاً وہ قصداً[۲] شرک کرتے تھے اور مسلمان قصد اشراک[۳] سے شرک نہیں کرتے گو لازم آجاوے مثلاً نذر غیر اللہ۔

بعضے لوگ بزرگوں کے نام کی فاتحہ دلواتے ہیں اور ان کو حاجت روا[۴] سمجھتے ہیں۔ یہ بحث بہت طویل ہے اس کے مراتب مختلف ہیں جس کو کچھ شبہ ہو تحقیق کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سی رسوم شرکیہ ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہیں۔ غرض شرک کے مراتب مختلف ہیں کہ اعلیٰ درجہ ان کا کفار میں پایا جاتا ہے اور ادنیٰ درجہ مومنین میں بھی متحقق[۵] ہے اس مقام پر ایک بات طالب علموں کے کام کی یاد آئی۔ وہ یہ ہے کہ یہ جو فرمایا ہے۔ و ان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا[۶] یعنی حرام فرمایا ہے اللہ کے ساتھ ایسی شئے کے شریک کرنے کو جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ اگر دلیل اتارتے تو شرک جائز ہوتا حالانکہ شرک قبیح بعینہٖ[۷] ہے اس میں کسی وقت بھی احتمال جواز کا نہیں۔ سو بات یہ ہے کہ مقصود یہ ہے کہ بندہ کو چاہیئے کہ جو کام کرے وہ کام ایسا ہو کہ اس پر دلیل موجود ہو اور شرک ممالا دلیل لہ سے ہے[۸] بلکہ اس کے خلاف کے دلائل بکثرت[۹] موجود ہیں پس ایسا کام کرنا جس پر دلیل نہ ہو یہ تو برا ہے ہی ایسا کام کرنا اور بھی زیادہ برا ہے جس کے

---

(۱) بڑھے ہوئے تھے (۲) جان بوجھ کر (۳) شرک کرنے کے ارادے سے شرک نہیں کرتے اگرچہ اس فعل سے شرک لازم آجائے (۴) حاجتوں کو پورا کرنے والا (۵) پایا جاتا ہے (۶) الاعراف: آیت ۳۳ (۷) شرک اپنی ذات کے اعتبار ہی سے برا ہے (۸) شرک ایسی چیز ہے کہ جس پر کوئی دلیل نہیں (۹) بہت زیادہ

خلاف پر دلائل ہوں پس "مالم ینزل بہ سلطانا" کنایہ ہے اس بات سے کہ اس کے خلاف پر دلائل ہیں۔

منکرین قیاس کا استدلال اور اس کا جواب

یہاں پر ایک شبہہ اور ہوتا ہے کہ بہت سے احکام قیاسیہ و مجتہد فیہا[۱] بلکہ کل ایسے ہی ہیں کہ ان کی اللہ تعالیٰ نے دلیل نہیں اتاری۔ پس اس سے منکرین قیاس اچھی خاصی طرح استدلال کرسکتے ہیں جواب یہ ہے کہ سلطاناً عام ہے اس لیے کہ نکرہ ہے اور تحت میں نفی کے ہے[۲] پس معنی یہ ہیں۔

مالم ينزل به سلطانا ما اى لاخاصاً به ولا يرجع اليه والاحكام القياسية و ان لم ينزل به سلطانا خاصا به ولكن به سلطانا مما يرجع اليه اى النص المقيس عليه ولهذا قالوا القياس مظهر لا مثبت[۳].

اور یہاں سے جواب ہوگیا اس شبہہ کا بھی جو لا تقف[۴] ماليس لك به علم سے ابطال قیاس پر استدلال[۵] کیا کرتے ہیں کہ جس کا علم یقینی نہ ہو اس کے درپے نہ ہونا چاہیئے اور احکام قیاسیہ ظنی[۶] ہیں، تقریر جواب کی یہ ہے کہ علم

---

(۱) بہت سے ایسے احکام جو قیاس سے یا اجتہاد سے معلوم کیے گئے ہیں ان پر صریح دلیل نہیں ہے (۲) جب نکرہ تحت نفی ہو تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہر قسم کی نفی ہے یعنی اس پر کوئی دلیل نہیں ہے نہ خاص اس پر اور نہ ایسی جو اس کی طرف لوٹنے (۳) جس پر نہیں اتاری کوئی بھی دلیل نہ خاص اس پر اور نہ ایسی کہ جو اس کی طرف لوٹنے اور احکام قیاسیہ میں بھی اگرچہ ان کے ثبوت پر کوئی خاص دلیل نہیں ہوتی مگر ایسی دلیل ضرور ہوتی ہے جو اس کی طرف راجع ہو یعنی اس نص کی طرف میں سے وہ مسئلہ نکالا گیا ہے اسی لیے قیاس کو حکم کا ظاہر کرنے والا کہتے ہیں ثابت کرنے والا نہیں کہتے (ثبوت کی دلیل تو نص ہوتی ہے قیاس اس کو ظاہر کردیتا ہے) یہ منکرین قیاس کا جواب ہوگیا۔ عقلیل (۴) اور مت پیچھے لگ اس شئے کے جس کا تجھ کو علم نہ ہو (۵) اس ایت سے جو لوگ قیاس کے باطل ہونے پر دلیل پکڑتے ہیں (۶) قیاس کردہ احکام تخمینی ہیں

نکرہ ہے اور تحت میں نفی ہے پس فائدہ عموم کا دے گا۔ مطلب یہ ہے ولا تقف مالیس لک به علم یعنی اس بات کی پیروی نہ کرو جس کا کسی درجہ میں علم نہ ہو نہ یقین کے درجہ میں اور نہ ظن[۱] کے اور یہاں سے ایک اور آیت کی بھی تفسیر اور ایک شبہ کا جواب ہو گیا وہ یہ ہے کہ منکرین قیاس آیت و ان یتبعون الا الظن[۲] سے بھی ابطال قیاس پر استدلال[۳] کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیاس بھی ظنی[۴] ہے اس کا اتباع کرنا بھی قابل ملامت و شکایت ہوگا تقریر جواب کی یہ ہے کہ جس ظن[۵] کے اتباع کی شکایت ہے وہ وہ ظن ہے کہ بنفسہ و باصلہ ہر طرح ظن ہو[۶] یعنی نہ خود یقینی ہو اور نہ وہ یقینی ہو جس کی طرف یہ راجع ہے[۷] باقی جو کسی قطعی کی طرف راجع ہو گو راجع ہونا اس کا محض ظنی ہو وہ اس سے خارج ہے[۸] اور قیاس میں یہی ہے کہ مقیس علیہ تو فی نفسہ قطعی اور یقینی ہوتا ہے اگرچہ طریق اس کا ظنی ہو[۹] اور اتباع اسی کا مقصود ہے[۱۰] باقی راجع ہونا اس حکم قیاسی کا اس اصل کی طرف یہ ظنی ہے[۱۱] اور اس کے ظنی ہونے سے کچھ اعتراض لازم نہیں آتا۔

---

(۱) گمان کے درجہ میں (۲) اور وہ نہیں پیروی کرتے مگر گمان کی (۳) قیاس کے باطل ہونے پر دلیل پکڑتے ہیں (۴) گمینی (۵) گمان (۶) کہ اپنی ذات اور اپنی اصل کے اعتبار سے ہر طرح گمان ہی درجہ میں ہو (۷) یعنی یہ استدلال بھی ظنی ہو اور جس پر یہ حکم قیاس کیا گیا ہو وہ بھی یقینی نہ ہو (۸) یعنی وہ حکم جو قیاس سے ثابت کیا جارہا ہے اگرچہ قیاس کرنا ظنی ہو لیکن جس شرعی حکم پر قیاس کیا گیا ہے وہ قطعی دلیل سے ثابت ہے تو یہ گمان سے خارج ہے جس کے اتباع کرنے سے قرآن میں منع کیا گیا ہے (۹) اور قیاس میں یہی ہوا کرتا ہے کہ جس پر قیاس کرکے یہ حکم ثابت کیا گیا ہے وہ یقینی اور قطعی دلیل سے ثابت ہوتا ہے (۱۰) اور اتباع کرنا اس حکم قطعی یقینی ہی کا مقصود ہوتا ہے (۱۱) باقی اس حکم کو اس کی طرف لوٹانا یہ ظنی ہے اور اس پر کچھ الزام نہیں

ظن کے معنیٰ

اور ایک جواب اور ہے وہ یہ ہے کہ ظن کے معنیٰ وہ نہیں ہیں جو ملا حسن اور قاضی[۱] میں لکھا ہے یعنی الطرف الراجح[۲] اس لیے کہ قرآن شریف تو لغت عرب میں نازل ہوا ہے۔ عرب ظن کا اطلاق وہم اور جانب مغلوب پر بھی کرتے تھے[۳]۔ چنانچہ آیت ان نظن الا ظنا[۴] میں ظن سے وہم مراد ہے اس لیے کہ یقینی بات یہ ہے کہ ان کو قیامت کا ظن بمعنیٰ معروف نہیں تھا پس ان تتبعون الا الظن[۵] میں بھی ظن کے معنیٰ یہیں ہیں مطلب یہ ہے کہ لوگ وہم پرستی میں مشغول ہیں۔ خیر یہ ایک طالب علمی تحقیق تھی۔

ارتکاب بدعت اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے

اسی طرح "تقول علی اللہ"[۶] کے مراتب بھی مختلف ہیں اعلیٰ درجہ تو اس کا کفار میں پایا جاتا ہے اور ادنیٰ درجہ اس کا بدعات ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہیں اور ان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون[۷] میں اس لیے داخل ہیں کہ ان کو عبادت سمجھ کر کرتے ہیں تو گویا لسانِ حال[۸] سے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتلائی ہیں۔

رمضان میں ہونے والی چند بدعات

منجملہ ان بدعات کے رمضان کی بدعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ

---

(۱) دو کتابوں کے نام ہیں (۲) ظن کے معنیٰ گمان غالب کے ہیں (۳) عرب ظن سے مراد گمان مغلوب اور وہم پر بھی کرتے تھے (۴) ہم اس کو صرف ایک وہم خیال کرتے ہیں (۵) تم صرف وہم ہی کا اتباع کرتے ہو (۶) اللہ پر جھوٹ بولنے (۷) تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم جانتے نہیں (۸) زبان حال

منجھلے[۱] روزہ کو افضل سمجھتے ہیں اور اس کے کچھ احکام بھی تراش[۲] رکھے ہیں جو سب بدعات ہیں اسی طرح یہ مشہور ہے کہ شب برات کے حلوے سے اگر پہلا روزہ افطار کیا جائے تو بہت ثواب ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ مولوی عبدالرب صاحب واعظ مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ حلوے کی تین قسمیں ہیں ایک اب کا، ایک جب کا، ایک تب کا، اب تو گڑ کا ہے جو مسجد کے ملانوں اور موذنوں کا ہے۔ اور جب کا شکر سفید کا ہے وہ خالہ اماں کے یہاں اور پھوپھی اماں کے یہاں جاوے گا۔ اور تب کا وہ مصری کا ہے وہ کس کے لیے وہ اپنے لیے ہے۔ اس سے پہلا روزہ افطار کیا جاوے گا۔ واقعی انہوں نے بات بڑی سچی کہی اور لقب بھی خوب تراشے ہیں۔ اس لیے کہ اب قریب کے لیے ہے اور جب بعید[۳] کے لیے اور تب ابعد[۴] کے لیے بولتے ہیں واللہ خوب ہی لطیفہ ہے۔

ایک اور اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ کسی کی افطاری سے روزہ نہ کھولو سارا ثواب اسی کو مل جاوے گا۔ غرض اس قسم کی بہت سی بدعات ہیں جو ان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون[۵]۔ میں داخل ہو سکتی ہیں۔ پس یہ چند گناہ ہیں کہ جن کو اہتمام سے رمضان المبارک میں چھوڑ دیا جاوے اور آئندہ کے لیے بھی عزم رکھا جاوے کہ ترک کر دیں گے۔

گناہوں کی مختصر فہرست

بطور فہرست کے مختصراً پھر عرض کرتا ہوں اس لیے کہ بیان ہو گیا ہے شاید یاد نہ رہے ہوں۔ نگاہ کا گناہ، زبان کا گناہ، ناجائز آمدنی، نذر و نیاز جو شرک ہو۔

---

(۱) درمیانی روزے (۲) گھڑ رکھے ہیں (۳) اور حرف "جب" اردو میں دور کے لیے استعمال ہوتا ہے (۴) اور تب اردو میں بہت دور کے لیے استعمال کیا جاتا ہے (۵) اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے

بدعات و رسوم، پیٹ کو حرام سے بھرنا۔ مقصود میرا یہ ہے کہ یوں تو ہر زمانہ میں یہ چیزیں چھوڑنے کے قابل ہیں لیکن خدا کے لیے رمضان المبارک کے یہ گنتی کے دن ہیں ان میں تو چھوڑ دو۔ چند روز کے لیے نگاہ سے، زبان سے، پیٹ سے مصالحت کرو۔ اگر رمضان میں آپ ان گناہوں کے ترک کے خوگر[1] ہوگئے تو انشاء اللہ تعالیٰ رمضان کے بعد بھی اگر کچھ بھی ہمت کروگے تو وہ توبہ نہ ٹوٹے گی اور آپ کو ان گناہوں کے ترک میں کوئی عذر نہیں۔ البتہ پیٹ کی حرام آمدنی سے حفاظت کرنے کی نسبت تم کہوگے کہ میاں یہ تو بیڈھب[2] بات ہے تم تو ہم سے جائداد اور موروثی زمین اور رہن چھڑانے لگے اگر ہم نے یہ چھوڑ دی تو ہمارا گذر کیسے ہوگا ہم کہاں سے کھائیں گے یہ تو سخت مشکل ہے بات یہ ہے کہ اس کا مشکل ہونا یہ تو تمہارا وہم اور خیال ہے تم نے مشکل سمجھ لیا ہے مشکل ہوگیا۔ واقع میں کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

رمضان میں حلال روزی کھانے کا آسان طریقہ

باقی رہی یہ بات کہ کہاں سے کھائیں گے۔ کیا جن کے یہاں یہ ابواب[3] آمدنی کے نہیں ہیں وہ بھوکے مر رہے ہیں یہ سب نفس کے حیلے[4] ہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ صاحب کچھ ہو یہ چیزیں تو ہم سے چھوٹتی نہیں تو خیر میں ان سے اخیر درجہ یہ کہتا ہوں کہ خیر تم چھوڑو یا نہ چھوڑو لیکن اتنا تو کرو کہ صرف رمضان رمضان کے لیے پیٹ کی حفاظت کرلو اور اس کی صورت یہ ہے کہ کہیں سے دس روپے مثلاً قرض لے لو اور سب چیزیں رمضان المبارک میں کھانے کے لیے اسی روپیہ سے لاؤ۔ رمضان رمضان تو حلال روزی کھالو۔ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ وہ قرض تم حرام

---

(۱) چھوڑنے کے عادی ہوگئے (۲) بے طریقہ بات ہے (۳) یہ ذرائع آمدنی (۴) بہانے

آمدنی سے ادا کرو گے کہ یہ بھی برا ہے مگر کیا کروں میرا جی گوارا نہیں کرتا کہ تم رمضان المبارک میں اس قدر تو مشقت گوارا کرو کہ جو چیزیں حلال ہیں کھانا پینا وہ تو چھوڑ دو اور تمام دن بھوکے پیاسے رہو اور پھر حرام آمدنی سے روزہ جیسی مبارک عبادت کو افطار کرو واللہ میرا جی دکھتا ہے اس لیے میں کہتا ہوں کہ خدا کے لیے رمضان کو اس طور سے گذار دو کہ نگاہ، زبان، پیٹ کو گناہ سے بچاؤ۔

لیجیے اب تو آپ کے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو اس بت کو خدا سمجھے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ رمضان المبارک کسی شخص کا جس حالت سے گذرتا ہے پھر اور دنوں میں اس کی وہی حالت رہے گی پس اگر آپ اپنا تمام رمضان اس طور سے گذار دو گے تو انشاء اللہ بعد رمضان کے اسی کی عادت ہو جائے گی۔

اب میں ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ حق تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمادیں۔

آمین یا رب العالمین[1]

تمت

(۱) اللہ تعالیٰ محشی اور اس وعظ سے استفادہ کرنے والے سب حضرات کو توفیق عمل دیں آمین۔
خلیل احمد تھانوی ۲۔ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ